سرد آگ
رضیہ سُبحان قریشی

نام : رضیہ سبحان قریشی

آبائی شہر : مدراس

ستارہ : قوس

تعلیم : بی اے (آنرز)، ایم اے

شعبہ : انگریزی

پیشہ : درس و تدریس

(ایسوسی ایٹ پروفیسر)

پتہ : اے 374 بلاک ڈی

نارتھ ناظم آباد۔ کراچی

فون : 6631181

سرد آگ

رضیہ سبحان قریشی

نام کتاب : سرد آگ

مصنفہ : رضیہ سبحان قریشی

اشاعت اول : 1996ء

تعداد : پانچ سو

طابع : زکی پریس

قیمت : ۱۲۵

کمپوزنگ : الٰہی گرافکس

نگراں : ابوالحسن انصاری

ملنے کا پتہ : اے 374 بلاک ڈی

نارتھ ناظم آباد۔ کراچی

پوسٹ کوڈ :

فون : 6631181

انتساب

میرے والد

محترم سیّد سبحان (مرحوم)

کے نام

رضیہ سبحان قریشی

فہرست

دوسرا حصہ

صفحہ 113 - 160

حرفِ آغاز

"سرد آگ" ادب کی دنیا میں ایک بے ادب کی جسارت ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ قارئین میری اس جسارت پر مجھے داد دیتے ہیں یا بیداد!

میرا شعری سفر کب سے شروع ہوا اس کا تعین کرنا بے حد مشکل ہے۔ بقول شخصے 'شاعر بنتے نہیں' شاعر پیدا ہوتے ہیں۔ شاید میں بھی پیدائشی شاعرہ تھی۔ مگر منظر عام پر نہ آسکی۔ اس کی وجہ میری کاہلی' میری نجی زندگی کی مصروفیات یا پھر کچھ اور سمجھ لیں۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا قلم کی جنبش شروع کردی۔ خیالات کو لفظوں کی شکل دے کر انہیں شعروں میں ڈھالنا شروع کردیا۔ خود ہی لکھتی رہی' خود ہی پڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ کافی وقت بیت گیا۔ آج گردش ایام سے ذرا فرصت ملی تو کچھ دوستوں کے اصرار اور کچھ اپنے دل کی پوشیدہ خواہش کو پورا کرنے کے لئے ان غزلوں کو اکٹھا کیا اور 'سرد آگ' کی صورت میں آپ کی نذر کر رہی ہوں۔

گر قبول افتد زہے عزو شرف

"آگ" روشنی کی علامت ہے' زندگی کا نشان ہے اور انسانی بقا کے لئے بے حد لازم ہے۔ مگر میری آگ سرد ہے جو بے حسی' بے مروتی' بے رخی اور بے اعتنائی کی نشاندہی کرتی ہے۔ آج کی دنیا جس ڈگر پر چل پڑی ہے وہاں مایوسیوں کے اتھاہ اندھیروں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ انسان انسان کا دشمن ہو چلا ہے' ہمارے آباؤ اجداد کے رسم و رواج دم توڑ چکے ہیں' ہر فرد ایک دوسرے سے بر سرِ پیکار ہے' ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہے۔ جس کو دیکھو پریشان' جس سے ملو حیران اور جس کو پرکھو ویران نظر آتا ہے۔ وقت کی رفتار بہت تیز ہو چکی ہے اور انسان زندگی کی چکی میں گھُن کی طرح پس رہا ہے۔ یہاں کسے اتنی فرصت' کس کے پاس اتنا وقت کہ ایک دوسرے کا درد بانٹے' ایک دوسرے کی بات سنے' ایک دوسرے سے ہمدردی کرے' ایک دوسرے کے زخموں پر مرہم رکھے۔ اگر رکے تو پیچھے رہ جانے کا خیال انہیں ایک

دوسرے سے بے نیاز کر کے تیز تر دوڑنے پر مجبور کرتا ہے۔ اسی تیز دوڑ میں، میں نے کوشش کی ہے کہ آپ کی رفتار کو ست کردوں، آپ کی فکر کو گرفت میں لے لوں، اور آپ کی دھڑکنوں میں شامل ہو کر آپ کے لئے تھوڑا سا سکون، ذرا سی آسودگی اور چند لمحۂ فکریہ پیش کر سکوں۔ میری اس گستاخی کو نظرانداز کر کے ایک لمحے میری سرد آگ کی گرمی کو محسوس کریں، شاید آپ کے دلوں کی راکھ میں دبی ہوئی کوئی چنگاری سلگ اٹھے۔ اگر ایسا ہوا تو میں سمجھوں گی کہ میری کاوش رائیگاں نہیں گئی۔

شکریہ

آخر میں میں اپنے استاد جناب تابش دہلوی کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جن کی حوصلہ افزائی کے سبب میں آج صاحبِ کتاب ہوئی اور اپنے ماموں جناب قادر شریف کی بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کی نوک پلک درست کی اور اپنے سر اسحاق صاحب کا بھی شکریہ جنہوں نے میرے اوراق کو سرورق دیا۔

رضیہ

سرد آگ

رضیہ قریشی کے شعری مجموعہ کا نام ''سرد آگ'' ہے' یہ نام ہی رضیہ قریشی کے جذبات اور احساسات کو سمجھنے میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے' آگ سرد ہے' مگر ہے آگ اور اس سرد آگ میں جذبات اور احساسات کی کتنی چنگاریاں دبی ہوئی ہیں اس کا اندازہ ان اشعار سے لگایا جا سکتا ہے جو انسانی رویوں سے پیدا ہونے والے اثرات کی ترجمانی کرتے ہیں' اس مجموعہ میں ایسے بے شمار شعر ملیں گے۔ جس میں اس دور کی معاشرتی' معاشی' سیاسی اور تہذیبی ماحول کی عکاسی کی گئی ہے اور نہایت چابکدستی سے کی گئی ہے اس چابکدستی کی وجہ رضیہ قریشی کی جذباتی زندگی کا ایک اور پہلو ہے اور وہ ہے ان کی مصوری' مصوری اور شاعری نے انہیں دو طرح سے اپنے جذبات کے اظہار میں مدد دی ہے۔ شعر کہتے وقت وہ جذبہ اور احساس کو تشکیلی صورت میں اپنی گرفت میں لیتی ہیں اور مصوری کرتے وقت وہ جذبہ اور احساس کی فضا کو اس تصور میں سمو دیتی ہیں جس کی تصویر ان کے پیش نظر ہوتی ہے اور اس طرح وہ شعر کو تصویر اور تصویر کو شعر بنا دیتی ہیں۔ غرض دونوں صورتوں میں وہ خالص فنکار ہوتی ہیں اور یہی حیثیت انہیں ممتاز کرتی ہے۔

وہ اپنے جذبات کو شعری نغمگی میں محفوظ کر لیتی ہیں اور پھر دوسروں تک پہنچاتی ہیں' دوسرے لفظوں میں ان کے تجربات دوسروں کے تجربات ہو جاتے ہیں اور اس طرح زندگی اپنے تناظر میں زیادہ وسیع نظر آتی ہے۔

اس صنعتی دور میں انسان کا سب سے بڑا مسئلہ احساس تنہائی ہے اور یہی احساس تنہائی اسے زندگی کی اعلیٰ قدروں سے روز بروز بیگانہ کر رہا ہے۔ وہ اس بھری پری دنیا میں تمام رشتوں سے اپنے آپ کو کٹا ہوا محسوس کر رہا ہے۔ مذہب میں وہ پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو مسائل کی موشگافیوں کی وجہ سے مذہب بھی اسے تشکیک و ریب میں مبتلا کرتا ہے۔ سائنس

میں سکون تلاش کرتا ہے تو سائنس اپنی خوفناک ایجادات کی وجہ سے اسے خوفزدہ کرتی ہے‘ فلسفہ نے اللہ کے تصور ہی کو مبہم کردیا ہے اور اس طرح وہ اللہ سے بھی اپنا رشتہ قائم کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ غرض اس طرح وہ زندگی کی بے شمار نعمتوں سے محروم ہے۔

رضیہ قریشی کی شاعری انہی مسائل کی طرف اشارہ کرتی ہے‘ ان کی زباں سادہ‘ اظہار کا انداز دلکش اور احساسات کا ابلاغ غیر مبہم ہے اور اس طرح تاثیر اور تاثر کی فضا ان کے شعروں میں قائم رہتی ہے۔

رضیہ قریشی‘ کم آمیز ہیں وہ کسی مشاعرہ میں شریک نہیں ہوتیں‘ کسی رسالے میں ان کا کلام شائع نہیں ہوتا‘ تشہیر کے اس دور میں ان کا یہ انداز۔ میرے نزدیک خاصا پسندیدہ ہے کیونکہ جوہرِ قابل کبھی چھپانے کے باوجود چھپ نہیں سکتا۔ آیئے ان کے کچھ شعر پڑھیں۔

جو گذرا ہے تری چاہت سے ہٹ کر
وہ میری زیست کا لمحہ نہیں ہے

سمندر میں ابھی ہیں کتنے طوفاں
یہ ساحل کو بھی اندازہ نہیں ہے

اسم جاں کے رموز پانے کو
زندگی موت سے بقا مانگے

ہو عطا اس کو رنج و غم ہی سہی
دل بھلا اور تجھ سے کیا مانگے

ایک روزن مرے زنداں میں نہیں
میں عبث تازہ ہوا چاہتی ہوں

جس سے ایوانِ فسردہ مہکیں
شہر میں ایسی فضا چاہتی ہوں

خوابِ لذت سے مسافر جاگیں
دشت میں بانگ درا چاہتی ہوں

قصۂ حسن و عشق رہنے دے
ایسی باتوں میں اب دھرا کیا ہے

منتظر کس کی ہے بے خواب نظر
کیوں نہیں کٹتی مری عمر رواں

چھوڑے جاتے ہیں متاعِ دنیا
کار آمد نہ ہوا کارِ جہاں

واضح ہے گفتگو سے مری چال ڈھال سے
وہ تلخئ حیات جو دل میں اتر گئی

ان شعروں میں وہ سب کچھ ہے جو اچھی شاعری کے لئے ضروری ہے۔ یقین ہے آپ رضیہ قریشی کی شاعری سے لطف اندوز ہوں گے۔

تابشِ دہلوی

حمد

حمد کیونکر بیاں ہو تیری رحیم
تو ہی یکتا جہاں میں تو ہی عظیم

قابلِ عشق اور پرستش تو
کام تیرا کرم ہے تو ہی کریم

بے سہاروں کا ہے سہارا تو
بے کسوں کا ہے صرف تو ہی ندیم

تیری رحمت پہ ناز ہے مولا!
کہ تو غفّار اور تو ہی رحیم

ذرّے ذرّے میں عکس ہے تیرا!
تو ہی گل ہے مہک ہے تو ہی نسیم

نعت

عکس رعنائیِ جمال ہیں آپ
بے مثالی کی اک مثال ہیں آپ

جس کو قدرت ہے بختِ انساں پر
اس مصوّر کا ہی کمال ہیں آپ

اہلِ ایماں کا آپ ہی مقصود
آئینہ ہم تو خط و خال ہیں آپ

آپ تعبیرِ خوابِ دیرینہ !
عکسِ انوارِ ذوالجلال ہیں آپ

آپ تخلیقِ ہر جہاں کا سبب
محورِ روز و ماہ و سال ہیں آپ

دلمیں ہیں دل کی دھڑکنوں کی طرح
ذہن میں پر توِ خیال ہیں آپ

نعت

رونقِ دو جہاں' مصطفیٰ مصطفیٰ
صاحبِ لا مکاں' مصطفیٰ مصطفیٰ

عشق کے پاسباں حسن کے راز داں
عکسِ ربِ جہاں مصطفیٰ مصطفیٰ

آپ رستہ مرا آپ منزل مری
آپ میرا نشاں مصطفیٰ مصطفیٰ

آنکھ سے دُور ہیں دل سے بے حد قریں
اک یقیں بیکراں مصطفیٰ مصطفیٰ

یہ جہانِ دنی خواہشوں کی زمیں
اس میں واحد اماں مصطفیٰ مصطفیٰ

دل وہیں پر مرا جاں وہیں پر مری
آپ کا در جہاں مصطفیٰ مصطفیٰ

درد کے چارہ گر میں ہوں حاجت نگر
الاماں الاماں مصطفیٰ مصطفیٰ

○

نہ تیرے ہجر کی ہے نہ ترے وصال کی ہے
یہ جسدِ خاک میں حدّت ترے جمال کی ہے

نہ سرد ہوگی کبھی آگ جذبۂ دل کی
کہ اس وجود میں گرمی ترے خیال کی ہے

وہ جس نے تھام لیا دامنِ خیال ترا!
ہے زعمِ اوج اُسے فکر نہ زوال کی ہے

وہ شخص جس کے لئے وقف زندگانی کی
اسے خبر مرے ماضی کی ہے نہ حال کی ہے

مرے رقیب کو مجھ سے شکستِ فاش ہوئی
یہ بات تیرے لئے کس قدر ملال کی ہے

نگار خانۂ دنیا میں بے ہنر ہی بھلے
یہاں پہ قدر کہاں صاحبِ کمال کی ہے

کتابِ زیست کے اتنے حسین صفحوں پر
نہیں مثال ترے حسنِ بے مثال کی ہے

سراغِ جادۂ منزل جو مل گیا ہے مجھے
عطا یہ مجھ پہ مرے ربِّ ذوالجلال کی ہے

راہِ دشوار کا شکوہ کیسا
جذبہ صادق ہو تو منزل آساں

○

طعنۂ شوقِ رہائی دینا
جب کہیں مجھ کو دکھائی دینا

شرم مانع ہو اگر محفل میں
میری آنکھوں کو سنائی دینا

راس آیا ہے تری راہوں میں
شوق کا آبلہ پائی دینا

سخت ہے سر کے لئے سودائی
کھا کے پتھر نہ دہائی دینا

ظلمتِ شب کے درخشاں تارو
تم مرے غم کی گواہی دینا

○

جو میرے بعد محبت کی داستاں لکھنا
کہیں تو میرے لئے حرفِ مہرباں لکھنا

ہمارے جذبِ محبت کا ذکر جب آئے
یقیں کے ساتھ اسے بحرِ بیکراں لکھنا

جو سچ کہوں تو گنوائی ہے جان دانستہ
غلط سہی تو اسے مرگِ ناگہاں لکھنا

امر تو ہو نہ سکے پھر بھی یہ تمنا ہے
ہمارا نام جو آئے تو جاوِداں لکھنا

مرے شعورِ محبت کی لاج رہ جائے
مری زمینِ محبت کو آسماں لکھنا

وہ ایک دورِ شناسائی محبت تھا !
جو ذکر ہو تو اسے یادِ رفتگاں لکھنا

جو اختتام ہو مقصود اس فسانے کا
تم اپنے عشق مرے حسن کا زیاں لکھنا

○

کوئی تو ہو کہیں جو مرا ہم خیال ہو
میں ہوں اگر جمال وہ عکسِ جمال ہو

لکھے ہوئے ہیں روز مقدر میں حادثے
میری تباہیوں کا اسے کیوں ملال ہو

اس طرح پھونک پھونک کے رکھا ہے ہر قدم
جیسے ہر ایک سمت فریبوں کا جال ہو

تجھ کو بھی چھوڑ دوں یہ متاعِ جہاں تو کیا
جب آبرو کی بات، انا کا سوال ہو

جب مقصدِ وفا نہ تری آرزو رہے
ایسا بھی کوئی دن ہو کوئی ماہ و سال ہو

○

جب ستاروں کی انجمن نکلے
چاند بن کر نئی دلہن نکلے

آپ اک بار مسکرا دیں اگر
مرے ماتھے سے ہر شکن نکلے

یوں تو آباد ہیں نگر سارے
جس کو دیکھو جلا وطن نکلے

کیا ہے اس کے سوا فریبِ نظر
کتنے آباد شہر بن نکلے

جن کو تذلیل کا سبب جانا
گل وہی زینتِ چمن نکلے

مہر جن پہ لگی جہالت کی
ہم نے دیکھا وہ اہلِ فن نکلے

دار پر بھی زباں نہیں کھولی
ہائے وہ کتنے کم سخن نکلے

جس کو تنہا سمجھ رہے تھے ہم
اپنی خلوت میں انجمن نکلے

○

فضا کی چیخ ہوں میں اک فغاں ہوں
اندھیری رات میں ماتم کناں ہوں

ہر اک دورِ بہاراں میرے بس میں
میں اپنے خار و گل کی پاسباں ہوں

ازل سے ہوں ابد تک میں رہوں گی
پیامِ درد ہوں دلمیں نہاں ہوں

میرے اندر کی دیواریں گری ہیں
بظاہر میں حصارِ بیکراں ہوں

مجھے برسات میں آکر جلا دے
سمجھ لے برق میں اک آشیاں ہوں

مری پستی میں ہے رازِ بلندی
زمیں پر میں رشکِ آسماں ہوں

ابھی راہوں میں ہے تکمیلِ انساں
ادھوری بات تشنہ داستاں ہوں

○

موسمِ گل کے طلبگار نہ ہو
اِن فریبوں میں گرفتار نہ ہو

یوں جو گزرے تو بہت ہی اچھا
خواہش مونس و غمخوار نہ ہو

نیند وہ جسمیں کوئی خواب نہیں
خواب وہ جس سے کہ بیدار نہ ہو

ایک بازارِ وفا ہو جس میں
آپ جیسوں کا خریدار نہ ہو

راہِ الفت میں کہاں یہ ممکن
راستہ ہو کوئی دیوار نہ ہو

چند لمحوں کی یہ دنیا ناصح
تم گنہگاروں سے بیزار نہ ہو

○

گئی رُتوں کو وہ پھر سے جگانے آیا تھا
مجھے بہار کا مژدہ سنانے آیا تھا

بہ نامِ عشق مرے پاس ایک دُور اندیش
بنا کے مصلحتوں کے بہانے آیا تھا

وہ نیم شب مری تاریک راہداری میں
فسادِ شب کو سرِ نو جگانے آیا تھا

سمجھ رہی تھی جسے فصلِ گل کا حاصل میں
مجھی کو آج وہ بادل رلانے آیا تھا

مٹا گیا ہے مجھے آج نقشِ ہستی سے
کہاں تو وہ مری دنیا بسانے آیا تھا

چمن کی شاخِ شکستہ پہ ایک طائرِ نو
کسی اسیر کو نغمہ سنانے آیا تھا

چمن میں پھول کھلے ہیں کہ رُت نئے چہرے
یہ فصلِ گل تری یادیں اُگانے آیا تھا

میسر ہو اُنہیں منزل کہاں سے
بچھڑ کر رہ گئے جو کارواں سے

ہمیں تو پاسِ خود داری بہت تھا
یہ آئے آنکھ میں آنسو کہاں سے

مجھے درسِ محبت دے کے لوگو!
وہ مجھ سے ہو گئے ہیں بدگماں سے

کفِ قاتل میں خنجر ڈھونڈتے ہو
نظر بھی کم نہیں تیر و کماں سے

وہ منزل ہے کہ خاموشی بھلی ہے
گزر آئے ہیں کوئے دوستاں سے

پلٹ کر دیکھنا اک بار ہم کو
نظر آئیں گے ہم اک سائباں سے

دلِ وحشی یہ وحشت کا سبب کیا
کہ ہم تو [illegible] مکاں سے

○

ذہن میں جب مری تصویر سمائی ہوگی
پھر کسی پہلو تجھے نیند نہ آئی ہوگی

ذکر محفل میں میری سوختہ سامانی کا
چھیڑ کر اس نے نہ پھر آنکھ ملائی ہوگی

اک تحریر کہ عنواں تھا محبت جس کا
خونِ دل سے اسے لکھ لکھ کے مٹائی ہوگی

روح میری تو ہے آمادۂ پرواز مگر
جسم کی قید سے چھوٹے تو رہائی ہوگی

بے سبب کوئی بھی تنہا نہیں ہوتا لوگو
چوٹ اس نے بھی کبھی دل پہ تو کھائی ہوگی

○

دل میں اترا ہے مرے پھر صورتِ تصویر کون
کر گیا ہے اپنی یادوں سے مجھے زنجیر کون

تم سے مل کر بھی نہ جانے منتظر کس کی ہوں میں
میرے جذبِ ناتواں سے اب ہے دامن گیر کون

قربتوں میں دل کے اندیشے بڑھے کچھ اور بھی
چھین کر لے جائے گا مجھ سے مری تقدیر کون

عشق کی سچائی پر ایمان تو باہم رہا
ایک شہرِ بے یقیں پھر کر گیا تعمیر کون

آشیاں جس شاخ پر چاہا وہیں بجلی گری
جرم سے پہلے سزائیں کر گیا تحریر کون

○

عکس لفظوں میں اتاروں کیسے
اس کو نظروں سے سنواروں کیسے

ساتھ دینے کو ستارا بھی نہیں
میں شبِ ہجر گزاروں کیسے

اپنے پہلو میں دلِ ویراں ہے
گلشنِ زیستؔ نکھاروں کیسے

ساری دنیا یہ خبر پا لے گی
میں تجھے دوست پکاروں کیسے

غم سسک آہ تڑپ بے چینی
اس کا احسان اتاروں کیسے

جان پر کھیل کے جیتا ہو جسے
اس کو میں جان کے ہاروں کیسے

○

فضا نے رنگ نئے چار سو بکھیرے ہیں
کہ شب کے بعد چمکتے ہوئے سویرے ہیں

کسی کی آنکھ ہے خیرہ دُھلے اجالوں سے
کسی کی آنکھ میں روشن بہت اندھیرے ہیں

محبتوں کے اُجالے جہاں جہاں پھیلے!
وہاں وہاں پہ شکستہ دلوں کے پھیرے ہیں

ہے اک سکوتِ مُسلسل حیات میں کیسا
زمانے بھر کے مرے ساتھ جب بکھیڑے ہیں

○

مدت ہوئی نکلے ہوئے خود اپنے ہی گھر سے
اک عمر گنوا دی ہے تو کیا لوٹیں سفر سے

مفہوم خموشی کا نہ سمجھو گے اگر تم
ہم جرأتِ اظہارِ وفا لائیں کدھر سے

ہم صورتِ مہتاب نکل آتے ہیں شب کو
وہ مثلِ صبا روز گزرتے ہیں ادھر سے

ایسا بھی کبھی قہرِ الٰہی نہ ہوا ہو
بھیگی ہوئی برسات میں دو بوند کو ترسے

جب چھائیں گھٹائیں تو مری آنکھ سے آنسو
بادل کی طرح آج بہت ٹوٹ کے برسے!

○

ہوا سرگوشیوں میں کہہ گئی کیا
جو عارض پھول کے جلنے لگے ہیں

نہ اب مجھ پہ کرم فرمائیے گا
کہ دل کے زخم اب بھرنے لگے ہیں

کسی گل پر ہمارا نام رکھدو !
ہم اب کانٹوں میں بھی کھلنے لگے ہیں

کہاں تک شورِ مرگِ ناگہانی
کہ وہ ہر گام پر مرنے لگے ہیں

ہماری مصلحت یا بزدلی ہے
جو سچ کہتے ہوئے ڈرنے لگے ہیں

○

ظلم ہر روز مرے دل پہ نیا ہوتا ہے
کیا یہی میری محبت کا صلہ ہوتا ہے

میری پلکوں پہ لرزتے ہوئے تارے ہیں گواہ
دل کی دھڑکن میں فقط تو ہی چھپا ہوتا ہے

گردشِ دہر میں یوں مجھ کو اکیلا چھوڑا
کوئی اپنوں سے بھلا ایسے جدا ہوتا ہے

جن کناروں پہ نکھرتا ہے خموشی کا طلسم!
ان کے دریاؤں میں سیلاب چھپا ہوتا ہے

جیسے آسیب زدہ ہوتا ہے خالی کمرہ
ذہنِ تنہا بھی یونہی دامِ بلا ہوتا ہے

○

بہت دنوں سے وہ نظریں وہ التفات نہیں
مری حیات میں اب رونقِ حیات نہیں

ہر ایک موج سے لڑنا ہماری عادت ہے
تکے جو دور سے ساحل وہ اپنی ذات نہیں

تمہاری یاد تمہارا خیال خوب سہی
تمہاری ذات مگر روح کائنات نہیں

مرا مزاج ہے ممنونِ گردشِ ایام !
سکوں ہو جس کی طلب وہ مری حیات نہیں

نہ درد و غم کا نہ شکوہ جفا کا ہے مجھ کو
مآلِ عشق نئی تو یہ کوئی بات نہیں

○

جن سے قائم تھی عظمتِ پرواز
دھند میں کھو گئے وہی شہباز

زندگانی تو آزمائش ہے
آئیں گے راہ میں نشیب و فراز

دل پکارا تجھے سرِ محفل
کیوں نہ پہنچی تجھے مری آواز

سن نہ پایا جو درد کی آواز
کیا اُسے ہو شعورِ نغمہ و ساز

ہم تو اس زندگی سے بھر پائے
عمر تیری خدا کرے ہو دراز

○

آپ کے ظلم کا حساب نہیں
اور مرے ضبط کا جواب نہیں

پیاس تشنہ لبوں کی بجھ جائے
چشم ساقی میں وہ شراب نہیں

منکشف تجھ پہ کس طرح کر دیں
دل ہمارا کوئی کتاب نہیں

آپ کو چھوڑ کر کہاں جائیں
ہم کہیں بھی تو باریاب نہیں

تلخ راتوں کا زہر ہے مجھ میں
میرے ساغر میں آفتاب نہیں

○

حصارِ تنگ میں قیدِ نگارِ شب رکھئے
صراحی جام نشہ محفلِ طرب رکھئے

نہ درمیان غرض ہو کوئی نہ اندیشہ
جو ہم سے ربط ہو رکھنا تو بے سبب رکھئے

فریبِ عشق بنا باعثِ جلا وطنی
غریبِ شہر کو ہرگز نہ بے ادب رکھئے

حیات مثلِ وفا ساتھ چھوڑ جاتی ہے
امر ہوں جو انہی لمحات کی طلب رکھئے

زبانِ شوق کو اذنِ نوا سے مت روکیں
پیامِ درد کو بھی مثلِ مہرِ لب رکھئے

فقط رقیب پہ یہ بارشِ عنایت کیوں
بھرم ہمارا بھی واللہ کچھ تو اب رکھئے

○

میرے ظلمت کدے سے رات چلے
جب وہ مہتابِ کائنات چلے

بادلوں میں سفر کی خواہش تھی
بن کے خوشبو ہوا کے ساتھ چلے

دوریٔ بزم بے سبب تو نہیں
جانے کس وقت اپنی بات چلے

وہ مسافر نواز ایسا ہے !
جس قدر بھی ہو سب کے ساتھ چلے

مرنے والوں کی یہ تمنا تھی
ہاتھ تھامے ہوئے حیات چلے

اپنی دنیا میں ہم اکیلے ہیں
کیا جو کوئی ہمارے ساتھ چلے

وہ جو ٹھہرے تو وقت رک جائے
وہ چلے ساری کائنات چلے

○

وہ تو اس طور اس ادا سے رہے
جیسے ہم سے بہت خفا سے رہے

تھے وہ شہہ رگ سے بھی قریب کہیں
جو بظاہر بہت جدا سے رہے

جو مرے زخمِ دل کا باعث ہیں
دیکھئے کیسے پارسا سے رہے

آہی جائے گا بندگی کا شعور
آپ یونہی اگر خدا سے رہے

وہ تو مثلِ سکوتِ شام ملے
ہم بھی اک سازِ بے صدا سے رہے

○

اشک آنکھوں میں لرزاں ہوئے ہیں
ان سے پھر عہد و پیماں ہوئے ہیں

کیسا دورِ جنوں آگیا ہے !
در بھی دیوارِ زنداں ہوئے ہیں

ہم جو تکیہ کریں بھی تو کس پر
معتبر، دشمنِ جاں ہوئے ہیں

رونقوں کے رہے جن کے چرچے
شہر وہ کیسے ویراں ہوئے ہیں

آج موسم نے بھی ساز چھیڑا
آج ہم بھی غزل خواں ہوئے ہیں

○

جبکہ ہر شام کا سویرا ہے
میرے گھر کس لئے اندھیرا ہے

زندگی موت بن گئی میری
جب سے سانسوں میں زہر تیرا ہے

اب کسی طور بھی فرار نہیں
کن فضاؤں نے مجھ کو گھیرا ہے

روشنی کر سکو تو کیا کہنا !
زندگی میں بہت اندھیرا ہے

ہم کو کانٹوں میں پھینکنے والے
شاخِ گل پر ترا بسیرا ہے

○

چمن میں پھول اب کھلتے کہاں ہیں
جو زخمِ دل کھلیں سِلتے کہاں ہیں

اکیلے چل پڑے اے دل یہاں ہم
سفر میں ہمسفر ملتے کہاں ہیں

ستم کچھ اور بھی فرمایئے گا ؟
جو ہم پر آج کل یوں مہرباں ہیں

کبھی شکوہ کیا تھا پتھروں سے
مگر اب اہلِ دل سے بدگماں ہیں

مجھے یا رب حیاتِ مختصر دے
کہ مرے ساتھ لاکھوں دردِ جاں ہیں

وہ جن کو قدرِ آزادی بہت ہے
وہی طائرِ اسیرِ آشیاں ہیں

○

ہم کو حسرت ہے اک زمانے سے
تم بھی روٹھو کسی بہانے سے

رنگِ محفل ضرور بدلے گا
مرے جانے سے ان کے آنے سے

کتنی یادوں کی لو بھڑک اٹھی
صرف اک تجھ کو بھول جانے سے

آگ شعلہ دھواں نہ چنگاری
فائدہ کیا ہے دل جلانے سے

دل ہو ویراں تو پھر مکانوں کا
حسن بڑھتا نہیں سجانے سے

آپ کا ساتھ کیا ملا ہم کو
دور ہم ہو گئے زمانے سے

○

زندگی وقت کا عذاب ہوئی
اپنی تو ہر خوشی بھی خواب ہوئی

اتنا سیلابِ اشک آنکھوں میں
کشتیٔ دل بھی زیرِ آب ہوئی

پھر قدم سوئے دوستاں پہنچے
دل کو پھر خواہشِ سراب ہوئی

جس نظر میں تھی نرئی شبنم
اک لمحے میں آفتاب ہوئی

صبح اک جیسی شام اک جیسی
زندگی علم کا نصاب ہوئی

○

کسی کا ساتھ یوں سفر کے درمیان مل گیا
شکستہ کشتیوں کو جیسے بادبان مل گیا

دیارِ غیر میں صدائے طائرانِ کم سخن
تھکے مسافروں کو جیسے سائبان مل گیا

تمہارا ساتھ کیا ملا جہانِ ہست و بود میں
زمیں کی پستیوں کو جیسے آسمان مل گیا

قدم جو میرے روک لے یہ وقت کی مجال کیا
میں گامزن ہوئی تو یوں کہ کاروان مل گیا

قدم ٹھٹک کے رک گئے نظر جھجک کے رہ گئی
دیار غیر میں جو ایک مہربان مل گیا

○

ہم نے چاہا بہت مگر نہ ہوئے
لوگ آمادۂ سفر نہ ہوئے

جن کو اپنی خبر کبھی نہ ہوئی
وہ کبھی ہم سے بے خبر نہ ہوئے

جن کی شاخوں پہ بچپنا جھولا
آج گلشن میں وہ شجر نہ ہوئے

اوڑھنی ان کے سر پہ کیا رُکتی
جن مکینوں کے اپنے گھر نہ ہوئے

اُن سے مٹی تو نم ہوئی گھر کی

اپنے رہنے کو اک مکاں تو ہے
یہ بھی کیا کم ہے دربدر نہ ہوئے

ان کی پرواز کی بلندی کیا
جن پرندوں کے اپنے پر نہ ہوئے

جن کی خاطر کیا تھا عزم سفر
وہی احباب ہمسفر نہ ہوئے

مجھے دریچۂ زنداں سے دیکھ لینے دو
کہ سازگار ہے کتنی ترے چمن کی فضا!

○

یوں رُوبرو کسی کو اچانک جو پا گئے
سب موسموں کے رنگ نگاہوں میں آگئے

یہ کس طرح ہوا کہ نظر تو جھکی رہی
اور وہ ہمارے دل کے سبھی راز پا گئے

پت جھڑ میں زندگی کے سبھی تو بچھڑ گئے
وہ لوگ اب کہاں جو کبھی دل کو بھا گئے

جو لوگ منزلوں کے بہت ہی قریب تھے
وہ لوگ اپنے گھر سے بہت دور آگئے

موسم کا حسن جب مرے دل میں اُتر گیا
ساون کسی کی یاد کے آنکھوں میں آگئے

یہ شبنمی ہوا یہ مہکتی ہوئی فضا
اس جانِ ناتواں پہ عجب ظلم ڈھا گئے

○

کاوش مستقل سبھی نے کی
لاج رہ جائے اس سفینے کی

شیشۂ دل پہ سنگباری ہے
خیر ہو میرے آبگینے کی

بربّریت کی یہ مثال کہاں
آدمی سے جو آدمی نے کی

جوہری ناشناس ہو جائے
تو کہاں قدر ہے نگینے کی

دل محبت بھرا نہ ہو جس میں
کیا ضرورت ہے ایسے سینے کی

○

میں تیرے دل میں رہوں یا تری نظر میں رہوں
جو یہ نہ ہو تو فقط تیری رہگذر میں رہوں

جہاں نہ صبح کا امکاں نہ شام کا خدشہ
میں قیدِ وقت سے آزاد اس سفر میں رہوں

جو مجھ سے بات ہو واضح ہو صاف ہو سچ ہو
نہیں مجھے یہ گوارا اگر مگر میں رہوں

مزا سفر کا رہے کیا جو پیچ و خم نہ ملیں
میں جب تلک بھی رہوں راہِ پر خطر میں رہوں

میں بن کے امن کا پیغام اپنے گھر ہی نہیں
ہر ایک قریہ ہر اک دیس ہر نگر میں رہوں

○

چاک داماں ہیں تیرے سودائی
وحشتِ دل کہاں پہ لے آئی

کو بکو بات پھیل جائے گی
یوں اگر تم نے کی پذیرائی

ایک دیرینہ آشنائے کرم
آج ہے منکرِ شناسائی

آئینہ دیکھ دیکھ ہنستے ہیں
خود تماشا ہیں خود تماشائی

جب سے تھاما کسی کے ہاتھوں نے
کب رہا مجھ کو خوفِ رسوائی

پتھروں کے بھی دل دھڑکنے لگے
کام آہی گئی جبیں سائی

وہ بھی ہیں مُبتلائے دردِ وفا
تھا جنہیں دعویٔ مسیحائی

عمر بھر کے لئے ہوئے باہم
ایک میں ایک میری تنہائی

○

دل کو پھر بیقرار ہونا تھا
اور بے اختیار ہونا تھا

جن کو جاں سے عزیز رکھا تھا
ان کو مشتِ غبار ہونا تھا

زیبِ دامانِ دوست ہیں وہ گل
جن کو وقفِ بہار ہونا تھا

کیا نشہ ہے کہ ہوش باقی ہے
کچھ تو مے میں خمار ہونا تھا

دشتِ دل میں تیری محبت کا
اک شجر سایہ دار ہونا تھا

دل کا کاغذ نہ رکھ سکے کورا
کچھ تو نقش و نگار ہونا تھا

ان کے چہروں پہ زرد موسم ہے
جن کو رشکِ بہار ہونا تھا

کیا شکایت کریں زمانے سے
اپنی قسمت میں خوار ہونا تھا

یہ مرحلۂ شوق کہ آسان بہت ہے
جینے کے لئے ایک ہی ارمان بہت ہے

بسمل کی طرح دل یہ تڑپتا ہے ہر اک پل
اے عشق ترا ہم پہ یہ احسان بہت ہے

پتھر کی طرح جس نے مجھے ماری ہے ٹھوکر
دعویٰ تھا اسے ہیرے کی پہچان بہت ہے

ہم کس کے لئے روئیں گے اور کس پہ ہنسیں گے
دل گردشِ دنیا سے پریشان بہت ہے

لغزش پہ برا آپ نہ شیطان کو کہیے
انسان کی گمراہی کو انسان بہت ہے

○

نہیں نہیں مجھے اس بات کا ملال نہیں
مرے نصیب میں وہ صاحبِ جمال نہیں

مجھے جو حسرتِ پرواز ہو تو کیونکر ہو
ہوا میں باز نہیں ہیں زمین پہ جال نہیں

ہرا بھرا ترا گلشن تو میں بھی تازہ ہوں
بغیر تیرے مجھے زندگی محال نہیں

جدائی جس کی شکستہ دلی کا باعث تھی
یہ کیا کہ اس کی رفاقت بھی نیک فال نہیں

جُدا ہوا ہے کوئی آج مجھ سے یہ کہہ کر
کہ شاخِ ہجر پہ کِھلتا گُلِ وصال نہیں

ملیں گے جب کبھی گردابِ وقت سے نکلیں
کہ حسن و عشق تو پابندِ ماہ و سال نہیں

○

دل دھڑکنے کی صدا ہو جائیے
زندگی کا آسرا ہو جائیے

روشنی جب تک ہے میرا ساتھ دیں
رات بڑھنے پر جدا ہو جائیے

آنے والی دُوریوں کا سوچ کر
جی میں آتا ہے خفا ہو جائیے

زندگی کی آندھیوں کے رُوبرو
پیکرِ صبر و رضا ہو جائیے

اپنی محفل میں بھرم رکھ لیجئے
مجھ سے خلوت میں خفا ہو جائیے

بے وفائی کی ڈگر کو چھوڑ کر
لمحہ لمحہ باوفا ہو جائیے

○

ہم بادلوں کے ساتھ ہوا میں سفر کریں
پھر طائروں کے سنگ فضاؤں کو سر کریں

ایفائے عہد ہم سے ہی ممکن نہ ہو سکا
ورنہ وہ جس سے بات کریں معتبر کریں

شاید یونہی بڑھے کوئی امکان ہم رہی
ہم ورنہ اپنی خاک کو کیوں دربدر کریں

رک جائے گر یہ آخری تارہ یہیں کہیں!
تم سے بھی گفتگو کوئی وقتِ سفر کریں

زخموں سے چور چور ہوئی ہوں میں ٹوٹ کر
کچھ تو مرا علاج میرے چارہ گر کریں

تم کبھی پھر نہ لوٹ کر آنا
رہگذر سے مری گزر جانا

فاصلہ تم میں اور منزل میں
ہو مگر تم ذرا نہ گھبرانا

وقت مجھ کو بہا کے لے جائے
اور تم سوچتے ہی رہ جانا

خوب آتا ہے تم کو اے ہمدم
اپنی ہر بات سے مکر جانا

لمحہ لمحہ سمیٹنا میرا
اور تیرا بکھر بکھر جانا

○

فلک کی رفعتوں کو چھُونے والو
زمیں پر پاؤں تو اپنے جما لو

بہت روشن دیارِ دل رہے گا
وفا کی تم اگر شمعیں جلا لو

بکھر جاؤں نہ لمحوں کے بھنور میں
مجھے گرداب سے اب تو نکالو

مجھے دیکھو محبت کی نظر سے
مجھے پھر بے رخی سے مار ڈالو

نہیں شیوہ تکلّف دوستوں کا
مجھے جب چاہو محفل میں بلا لو!

○

وہ بُت ہے' بت کے سوا نہیں ہے
قسم خدا کی خدا نہیں ہے

تغیّر روز و شب تو دیکھو
جو آج ہے وہ سدا نہیں ہے

یقیں ہوا جس کی دوریوں کا
جدا ہوا تو جدا نہیں ہے

بنے بھلا کس طرح وہ کندن
میری طرح وہ جلا نہیں ہے

بہت ستایا ہے جس نے مجھکو
برا ہے پھر بھی برا نہیں ہے

وہ جس کو کہتے ہیں جامِ الفت
چکھا تو ہے بھر پیا نہیں ہے

○

زبان بند رکھو، آنکھ کو کُھلا رکھو
جو دل میں بات اگر ہو کوئی چھپا رکھو

نہ جانے کونسا لمحہ تمہارا دشمن ہو
بساطِ وقت پہ مہروں کو تم جما رکھو

نہ جانے کب کسی ایمان کا سوال اُٹھے
تم اپنے پاس خدارا کوئی خدا رکھو

یہ وقت مصلحتوں کا ہے آؤ مل جائیں
شکائتوں کو کسی روز پر اُٹھا رکھو

○

غرورِ عشق کو ایسے نہیں گنوانا ہے
وفا کے نام پہ آنسو نہیں بہانا ہے

وہ جب تلک نہ ملا تھا جہاں تھا بیگانہ
وہ ساتھ ہے تو مرے ساتھ اک زمانہ ہے

چمن میں تیز ہواؤں کی شوخ رفتاری
گلوں کے ڈال سے گرنے کا اک بہانا ہے

ڈگر پہ شام کی امید کا دیا لے کر!
چلے ہیں آج اُدھر جس طرف ٹھکانا ہے

یہ اور بات کہ بروقت چاندنی چٹکی
مرا مزاج تو ویسے بھی عاشقانہ ہے

○

وہ جو سر کو جھکائے رکھتے ہیں
دل کسی سے لگائے رکھتے ہیں

کتنے ہنگامہ ہائے روز و شب
میرے دل کو لبھائے رکھتے ہیں

پھول سے لوگ تیری دنیا میں
بارِ دنیا اٹھائے رکھتے ہیں

ذات میں اپنی جو اکیلے ہیں
وہی محفل سجائے رکھتے ہیں

ہم سے سادہ صفات مصلحتاً
ساکھ اس کی بنائے رکھتے ہیں

موت کی نیند سو چکے ہیں جو
ان کی یادیں جگائے رکھتے ہیں

کس قیامت کے ہیں یہ اندیشے
اک قیامت اٹھائے رکھتے ہیں

○

دل کو تجھ پر جو اعتبار ہوا
اپنے ہر اک نفس سے پیار ہوا

ہر کوئی حال پوچھنے آیا!
اک زمانہ ہی راز دار ہوا

اس کے گلشن میں جو بھی پھول کھلا
رشکِ رنگینئ بہار ہوا

خوب دیدوروں کی بن آئی
حسن جب تیرا آشکار ہوا

اس کی جھولی خوشی سے بھر جائے
تیری خاطر جو غمگسار ہوا

کتنے دامن خراب ہو کے رہے
ایک دامن جو داغدار ہوا

چھین کر مجھ سے میرا صبر و قرار
کس قدر وہ بھی بیقرار ہوا!

○

محبتوں کے سلسلے عجیب سے عجیب تر
یہ قربتیں یہ فاصلے عجیب سے عجیب تر

نہ ہم کسی کے ہو سکے نہ وہ کسی کا بن سکا
یہ زندگی کے مرحلے عجیب سے عجیب تر

نہ اس کی ابتدا کوئی نہ اس کی انتہا کوئی
نگاہ و دل کے سلسلے عجیب سے عجیب تر

بساطِ دل پہ ہار بھی انہی کی اور جیت بھی
ہیں اہلِ دل کے حوصلے عجیب سے عجیب تر

جہاں سے ہم چلے اسی مقام پر ہیں آج تک
یہ روز و شب کے سلسلے عجیب سے عجیب تر

محبتوں کے کھیل میں جو قربتیں عجیب ہیں
تو درمیاں ہیں فاصلے عجیب سے عجیب تر

○

وہ ایک شخص جو مجھ سے ملا تھا عُجلت میں
ہوں آج تک میں اُسی شخص کی محبت میں

یہ جان کر نہ ہوئی احتیاطِ دل مجھ سے
زیاں بہت ہے کسی چیز کی حفاظت میں

وہ اختتامِ سفر پر نہ میرے ساتھ رہا
چلا تھا دُور تلک جو مری رفاقت میں

کسی کی ذات سے وابستگی نہیں اچھی
میں جان بوجھ کے ہوں مبتلا اذیت میں

وہ جس کی ایک نظر سے صفائی ممکن تھی
وہ مجھ سے دور ہوا ہے عبث ندامت میں

وہ جب بھی ملتے ہیں بیمار بن کے ملتے ہیں
مزاج پوچھ لیا تھا کبھی مروّت میں

جبینِ ناز درِ آستاں سے اٹھ نہ سکی
مزا کچھ ایسا ملا ہے تیری عبادت میں

وہ روزِ حشر کے وعدے پہ ہو گیا رخصت
یہ سوچ کر کہ کہاں ہوں گے ہم قیامت میں

مرے لئے بھی کوئی سوچتا ہے دنیا میں
یہ بات میرے لئے انکشاف ہے لوگو!

○

اور دل کو ملال ہوتا ہے
جب وہ پُرسانِ حال ہوتا ہے

جان آتی ہے جانکنی میں بھی
اتنا رعبِ جمال ہوتا ہے

چیونٹیوں کے بھی پر نکلتے ہیں
اوج کو جب زوال ہوتا ہے

جاوداں زندگی اُسی کی ہے
جو بھی صرفِ کمال ہوتا ہے

جذبۂ شوق میں جو کامل ہے
وہی سچا بلال ہوتا ہے

اس کو اپنی خبر نہیں ملتی
جس کو تیرا خیال ہوتا ہے

○

جس قدر مضطرب سمندر ہے
اُتنا طوفان میرے اندر ہے

جس کی تصدیق آسمان نے کی
کرۂ ارض پہ وہی گھر ہے

آتی جاتی رُتوں سے مجھ کو کیا
میرے اندر جو ہے وہ باہر ہے

اس کو کیونکر ہو لذّتِ آزار
جس کا آزار ہی مقدّر ہے

ریت پر گھر بنا کے کہتا ہے
یہ تمہارا میرا نیا گھر ہے

دل کی مسجد میں پاؤں رکھا ہے
کلمۂ شوق مجھ کو ازبر ہے

پھر طوافِ دل و نظر کیجئے
کہ عبادت یہ سب سے بہتر ہے

○

سکوتِ شب میں چراغِ سحر جلا تو کیا
پیامِ زیست سرِ مرگ اگر ملا تو کیا

ہمارا ساتھ کسی طور بھی نہیں ممکن!
وہ میرے ساتھ مرے گھر تلک چلا تو کیا

ہے میرے ساتھ مری عمر بھر کا سناٹا
جو شورِ گرمیٔ محفل مجھے ملا تو کیا

صدائے دل کی نہ دستک سنی کبھی جس نے
وہ در ہے آج ہمارے لئے کھلا تو کیا

جو نبضِ جاں کا ہر اک کھیل جیت جاتا ہو
شکستِ دل تو اُسے سونپ کے چلا تو کیا

نہ جس کی مانگ نہ خواہش نہ آرزو نہ طلب
چمن میں پھول اک ایسا اگر کھلا تو کیا

○

جو بھی آپس میں وفا بانٹتے ہیں
وہ محبت کی سزا کاٹتے ہیں

جن کا حق فصلِ گلستان پہ نہیں
شاخ سے پھول وہی چھانٹتے ہیں

جنبشِ لب نہیں ممکن ہو جہاں
آنکھوں آنکھوں میں وہاں ڈانٹتے ہیں

عمر کاٹی تھی طلب میں جن کی
اب وہ لمحات ہمیں کاٹتے ہیں

درد و غم فکر و پریشاں حالی
لوگ سوغات یہی بانٹتے ہیں

○

اب اہتمامِ حسن کی عادت نہیں رہی
وہ مل گیا مجھے تو رفاقت نہیں رہی

تھی جس سے انتقام کی خواہش تمام عمر
وہ روبرو ہوا تو عداوت نہیں رہی

سمجھا کیے تھے جس کی جدائی کو جاں گسل
وہ دور ہو گیا تو قیامت نہیں رہی

ناکام لوٹ آئیں مرے در سے گردشیں
مجھ کو غمِ حیات کی فرصت نہیں رہی

اس چشمِ التفات کے معنی تو یہ ہوئے
پہلی سی ہم سے آپ کو نسبت نہیں رہی

اس دورِ بت پرست میں انساں شریف تھے
اب دور ہے جدید شرافت نہیں رہی

○

زندگی رائیگاں گنوائیں کیوں
جو نہ اپنا ہو اس کو چاہیں کیوں

اجنبی سائے کے تعاقب میں
اپنی ہستی کو ہم مٹائیں کیوں

امتحانِ وفا کے دھوکے میں
روز ہم خود کو آزمائیں کیوں

کیوں سلگتے رہیں کسی کے لئے
برف میں آگ ہم لگائیں کیوں

جس کو مانے نہیں خدا اپنا!
دل میں ایسا صنم بسائیں کیوں

فکرِ فردا میں ہم سے دانشمند
اپنے امروز کو گنوائیں کیوں

حق بجانب ہے وہ بھی اور میں بھی
درمیاں میں کسی کو لائیں کیوں

○

اظہارِ جذبِ دل سے جو معذور ہو گئے
وہ لوگ زندگی سے بہت دور ہو گئے

جن کو تمہارا قرُب میسر ہوا وہ لوگ
کیوں دیکھتے ہی دیکھتے مغرور ہو گئے

ترکِ وفا کا ہم میں بہت حوصلہ تو تھا
پر بات ہی کچھ ایسی تھی مجبور ہو گئے

شیشے کی کرچیوں سے سجائی جو رہگذر
پاؤں ہمارے زخموں سے پھر چُور ہو گئے

دیدارِ دوست کی جو کسی دل نے چاہ کی
موسیٰ ہوئے کئی تو کئی طور ہو گئے

○

درد جب حد سے گزر جاتا ہے
اور جینے کا مزا آتا ہے

آپ میں بات ہی کچھ ہے ورنہ
کوئی کب دل کو مرے بھاتا ہے

جو امیری کے شجر کے سائے
پل گیا ہے وہی ان داتا ہے

ہم کوئی نہیں جس رشتے کا
آپ سے میرا وہی ناتا ہے

ایک اسٹیج ہے دنیا جس میں
کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے

رہگذر زیست کی سنسان بہت
دل بھی اکثر میرا گھبراتا ہے

جس کی پردیس میں شنوائی ہو
وہ کہاں لوٹ کے گھر آتا ہے

شب کو دامن میں ستارے بھر لوں
صبح ہر خواب بکھر جاتا ہے

○

کوئی جب یاد کا خنجر اُتارے
مرے اندر کا سنّاٹا پکارے

گھٹا کالی' اُجالا یاد اس کی
دو روزہ زندگانی کے سہارے

کُھلے آکاش کے نیچے سمندر
دریچوں میں کہاں ایسے نظارے

ہُوا منجھدھار سے جو بھی گریزاں
اسی کی ناؤ ڈوبی ہے کنارے

یہ کیسا ہے ترا انصاف مولا!
خوشی اس کی تو سارے غم ہمارے

مجھے یاد آئیں وہ لبریز آنکھیں
فلک پہ جب کریں جھلمل ستارے

چلے تو ہیں سرِ مژگاں سے لیکن
کہاں جا کر تھمیں گے اب یہ دھارے

اُسے حاصل ہو کیونکر سربلندی
جو راہِ زندگی میں بول ہارے

جوشِ جنوں میں ہم نے تو بس کام یہ کیا
بزمِ عدو میں نام بہ آواز لے لیا!

○

فیصلے قسمت کے ایسے ہو گئے
جب کبھی آئی سحر ہم سو گئے

محفلِ یاراں میں اکثر یہ ہوا
ہم وہاں پہنچے تو اٹھ کر وہ گئے

کیا انہیں جذبِ وفا کی قدر جو!
نفرتوں کے بیج دل میں بو گئے

جن کو زعمِ پاس خودداری رہا
داغِ دل وہ آنسوؤں سے دھو گئے

کتنے چہرے کتنی آوازیں ہیں جو
کل تھے حاضر آج ماضی ہو گئے

نیند اکثر یوں بھی ہم کو آگئی
آنکھ تک جھپکی نہیں ہم سو گئے

○

وقت سے میں نے انتقام لیا
زندگی بھر نہ تیرا نام لیا

گردشِ روز و شب نے جی بھر کر
ناتواں جی سے انتقام لیا

لمس پا کر کسی کی یادوں کا
دامنِ صبر میں نے تھام لیا

شرم سے بدلیاں ہوئیں پانی
ہاتھ میں جونہی میں نے جام لیا

بزم میں تم ٹھہر نہ پاؤ گے
جو نگاہوں سے میں نے کام لیا

میرے پندارِ شوق نے لوگو!
مجھ کو ہر اک قدم پہ تھام لیا

مدعا اس تلک پہنچ ہی گیا
دل نے جب بھی نظر سے کام لیا

○

جب بھی وہ مثلِ صبا جائے ہے
جذبۂ شوق بڑھا جائے ہے

عقل جس چیز سے روکے رکھے
دل اسی سمت کھنچا جائے ہے

منتظر وہ تو بہت ہے کہ سنے
ہم سے ہی کچھ نہ کہا جائے ہے

جب بھی دل سازِ محبت چھیڑے
گیت دھڑکن میں سنا جائے ہے

بات جب ہوتی ہے سرگوشی میں
دور تک اس کی صدا جائے ہے

نارسائیوں کی رسائی ہے وہاں
کیوں نہ پھر اپنی دعا جائے ہے

○

راہ کی گردِ سفر ہم پہ اڑاتے کیوں ہو
شوقِ منزل جو نہیں پاؤں اٹھاتے کیوں ہو

پابہ جولاں ہی سہی رقص تو کرتے ہم بھی
جشنِ اغیار ہو برپا تو چھپاتے کیوں ہو

جنسِ نایاب ہے کمیاب ہے ارزاں ہے پھر
دولتِ عشق سرِعام لٹاتے کیوں ہو

تم مرے جذبۂ بے لوث کو اک ٹھوکر سے
پاؤں کی خاک کے مانند اڑاتے کیوں ہو

کس کو مظلوم کی آواز سنائی دے گی
قریۂ سنگ میں آواز اٹھاتے کیوں ہو

ایک مجرم کی طرح تم بھی کٹہرے میں کھڑے
منصفِ وقت پہ الزام لگاتے کیوں ہو

اک مرے دم سے تو آباد تمہارا یہ دل
ہر ملاقات پہ یہ بات جتاتے کیوں ہو

○

وصل کی ہر گھڑی قلیل رہی
ہجر کی شب بڑی طویل رہی

ابرِ باراں سے بے نیاز رہے
چشمِ سیلاب خود کفیل رہی

پیاس ہر تشنگی کی جس سے بجھے
وہ تیرے پیار کی سبیل رہی

جس کی تاریکیوں سے خائف تھے
شب وہی لیلتہ الجلیل رہی

جسم شادابیٔ بہار رہا!
روح لیکن سدا علیل رہی

دشتِ نفرت میں پیار کی اک بوند
میری سچائی کی دلیل رہی

فیصلہ دل کے ہی خلاف رہا
عقل جب تک مری وکیل رہی

○

دشت ویراں میں کوئی یار ملے
دھوپ میں سایۂ دیوار ملے!

ہائے وہ لوگ کہ جو محفل میں
آپ اپنے سے بھی بیزار ملے

آپ سے دل کا تعلق ایسا
جیسے بیمار سے بیمار ملے

ہاتھ میں تیغ نہ خنجر لیکن
ہر کوئی برسرِ پیکار ملے

اس کی ہستی کو سلامِ عزّت
اپنی ہستی کا جو مختار ملے

دل کی بازی بھی نرالی بازی
جیت اس کی ہو جسے ہار ملے

پھر تو دنیا کا خدا ہی حافظ
آپ سے ہم سے جو دوچار ملے

○

آسودگیٔ فکر کا ساماں نہیں ہوتا
آئینہ مجھے دیکھ کے حیراں نہیں ہوتا

گلشن میں جو اک پھول بھی کھل جائے بہت ہے
احساسِ لطافت بھی ویراں نہیں ہوتا

سودائے محبت میں ہوا جس کا خسارہ!
ہاتھوں سے جدا اس کے گریباں نہیں ہوتا

آزار کی لذّت ہمیں ایسی ہے کہ مل جائے
وہ درد کہ جس درد کا درماں نہیں ہوتا

قدموں کے نشاں جس میں نہ منزل کا تعین
ایسے کسی قصے کا تو عنواں نہیں ہوتا

آنکھوں میں بسا ہو نہ اگر پرتوِ جاناں
دل میں تو کبھی اس کے چراغاں نہیں ہوتا

○

نہیں ہے سہل مری بات سے مکر جانا
تمہارے اشک کو میں نے سدا گہر جانا

کبھی جو ترکِ محبت کا حوصلہ پانا
تو ایکبار گلی سے مری گزر جانا

کوئی سمیٹ لے ہم کو تو پھر نہیں ممکن
ہمارا ٹوٹ کے ہر ایک سُو بکھر جانا

ہر ایک دور میں بس ایک مرحلہ تھا کٹھن
نظر بچا کے نظر سے تری گزر جانا

تو زیرِ سایۂ ابرِ بہارِ گلشن ہے
نہیں عجب ہے خزاں میں ترا بکھر جانا

وہ آئینے میں کھڑے محوِ آئینہ ہوتا
اس آئینے کے مقدر میں ہے سنور جانا

○

کیوں سرِشام دیئے گھر کے جلا دیتے ہو
کون آئے گا یہاں کس کو صدا دیتے ہو

تہمتِ عشق اٹھانے کو بہت سے ہوں گے
کس لئے مجھ کو ہی الزامِ وفا دیتے ہو

حرفِ بیکار اگر ہے تو مٹا دو دل سے
نام جو ریت پہ لکھ لکھ کے مٹا دیتے ہو

سادگی ہے یہ شرارت ہے کہ مکّاری ہے
جو دبے ہیں انہی شعلوں کو ہوا دیتے ہو

تم نے کیونکر یہ زمانے کی روش اپنا لی
جرم سے قبل ہی ملزم کو سزا دیتے ہو

ذکرِ رسوائیِ دل چھیڑ کے ہر محفل میں
میری شہرت کو بہر طور بڑھا دیتے ہو

میں نے اک بات جو کہہ دی تو قیامت گذری
تم جو ہر بات پہ اک حشر اُٹھا دیتے ہو

○

میری آنکھوں میں ایک تارا سا
ہے ترے غم کا استعارا سا

میری پلکوں پہ شبنمی قطرہ
ساری دنیا جہاں کا مارا سا

اپنے ہونٹوں پہ لازوال سی چپ
قول دل کا ہر ایک ہارا سا

جانے کیوں چل پڑا تمہاری طرح
وہ مرے ساتھ اک ستارا سا

میری آنکھوں میں تھا ازل سے ہی
ایک چہرہ بہت ہی پیارا سا

○

وہ جو اُمیدِ سحر رکھتے ہیں
دُور اندیش نظر رکھتے ہیں

حوصلہ ہم میں نہیں پانے کا
ظرف کھونے کا مگر رکھتے ہیں

جو قدم نقشِ قدم پر جائیں
وہ کہاں اپنی ڈگر رکھتے ہیں

منزلِ شوق انہی کو حاصل
جو بہت ذوقِ سفر رکھتے ہیں

اشک آنچل پہ جو گرتے ہیں کبھی
ہم انہیں مثلِ گہر رکھتے ہیں

جل نہ جائے کہیں تیرا گلشن
ہم بھی آہوں میں اثر رکھتے ہیں

مسکراتے ہوئے ہونٹوں کی قسم
ہم تبسم میں شرر رکھتے ہیں

○

ترا پیکر ترا سایا نہیں ہے
کوئی بھی تو ترے جیسا نہیں ہے

جو گزرا ہے تری چاہت سے ہٹ کر
وہ میری زیست کا لمحہ نہیں ہے

سمندر میں ابھی ہیں کتنے طوفان
یہ ساحل کو بھی اندازہ نہیں ہے

ہے اک مبہم تصور میری ہستی
کسی نے اب تلک سوچا نہیں ہے

گلہ ہے گر تو بس اتنا ہے تجھ سے
کہ تو نے بھی مجھے سمجھا نہیں ہے

میری ہر سانس ہے تجھ سے عبارت
عبادت کا مجھے دعویٰ نہیں ہے

○

پھر کوئی در کوئی صدا مانگے
قلبِ مہجور ہمنوا مانگے

اسمِ جاں کے رموز پانے کو
زندگی موت سے بقا مانگے

جانے کس کی نظر لگی اس کو
درد خود درد کی دوا مانگے

شہر مقتل کی تنگ گلیوں میں
آشتی امن راستا مانگے

ایک تیری وفا تیری چاہت
دل یہ جینے کا آسرا مانگے

ہو عطا اس کو رنج و غم ہی سہی
دل بھلا اور تجھ سے کیا مانگے

زندگی روگ جسم و جاں کا بنے
درد جب درد آشنا مانگے

جانے کس دل سے بددعا نکلے
جانے کب دل کوئی دعا مانگے

○

خضر سا راہ نما چاہتی ہوں
دورِ حاضر میں یہ کیا چاہتی ہوں

نشترِ طنز سے گھائل ہوں بہت
مرہمِ ناز و ادا چاہتی ہوں

کرچیاں بکھری ہیں رستے رستے
نقش گلرنگ نما چاہتی ہوں

ایک روزن میرے زنداں میں نہیں
میں عبث تازہ ہوا چاہتی ہوں

کارِ آسان ہے مشکل ہونا!
ان سے پھر عہدِ وفا چاہتی ہوں

حشر سامانی کا سامان بنے
گوشۂ جاں وہ صدا چاہتی ہوں

جس سے ایوانِ فسردہ مہکیں
شہر میں ایسی فضا چاہتی ہوں

خوابِ لذّت سے مسافر جاگیں
دشت میں بانگِ درا چاہتی ہوں

بے ثمر شاخِ بدن ہو تو ہو
روح میں پھول کِھلا چاہتی ہوں

○

جب نہ دل شغلِ محبت چاہے
کیا کوئی تازہ رفاقت چاہے

آپ فقدانِ مروّت کے اسیر
اور مرا اشکِ ندامت چاہے

جس میں تفریق مساوات نہیں
دل وہ دیرینہ روایت چاہے

قحطِ الفاظ کا مارا اِنساں
جذبِ اظہار کی طاقت چاہے

وہ عدو ہو تو کوئی بات نہیں
ہم نفس ہو کے عداوت چاہے

ہم فسانوں سے بہلنے والے
وہ مگر زندہ حقیقت چاہے

جھوٹ جس کی ہے سرشتِ لعل
وہ مرے سچ کی شہادت چاہے

○

گفتگو کا یہ سلسلہ کیا ہے
تیری نظروں کا مدّعا کیا ہے

اس سے مجھ کو گلہ بھی ہو کیونکر
وہ مرا درد جانتا کیا ہے

قصّۂ حسن و عشق رہنے دے
ایسی باتوں میں اب دھرا کیا ہے

خود کو تُو ڈھونڈ گوشۂ دل میں
میری آنکھوں میں جھانکتا کیا ہے

جو مقدر تھا اپنا ہو کے رہا
کاتبِ وقت سے گلہ کیا ہے

لمحۂ حال میں جو ہو زندہ
اس کو ماضی کا آسرا کیا ہے

آج تک کوئی بھی نہ جان سکا
مرضِ عشق کی دوا کیا ہے

○

بڑھ گئی جب کبھی بیتابیٔ جاں
بھرنے لگتا ہے نگاہوں میں دھواں

شمع تو ہو گئی کُشتہ لیکن!
شبِ رفتہ کا ابھی تک ہے سماں

تجھ سے مایوس نہیں دل اب تک
دائمی سلسلۂ وہم و گماں

بار آور میری خواہش نہ ہوئی
جان لیوا ہے یہ احساسِ زیاں

منتظر کس کی ہے بے خواب نظر
کیوں نہیں کٹتی مری عمرِ رواں

چھوڑے جاتے ہیں متاعِ دنیا
کار آمد نہ ہوا کارِ جہاں

○

آنکھ کو منظر سہانا چاہیئے
کچھ تو جینے کا بہانا چاہیئے

دربدر بھٹکا ہے یہ آوارہ دل
مستقل اس کو ٹھکانا چاہیئے

نیست ہونے کو ہے اک لمحہ بہت
بات بننے کو زمانا چاہیئے

صحنِ گلشن میں جو مہکایا تو کیا
پھول صحرا میں کھلانا چاہیئے

دعوئ الفت کیا کرتے ہیں جو
ہاں انہیں بھی آزمانا چاہیئے

دم بدم سینے میں سانسیں روک کر
کوچۂ جاناں سے جانا چاہیئے

ظرفِ عالی کی یہی پہچان ہے
کر کے احساں بھول جانا چاہیئے

یوں تو ہیں سامان تسکین وفا
دل کو رونے کا بہانا چاہیئے

ریت پر لکھی گئی تحریر ہوں
موج دریا سے مٹانا چاہیئے

زیست کی دہلیز پر کب تک رُکیں
وقت رخصت ان کو آنا چاہیئے

○

شامِ غم جب میرے آنگن میں اتر آتی ہے
روشنی چاند کی پلکوں پہ بکھر جاتی ہے

ایک تجھ سے ہی تو مانوس ہیں آنکھیں میری
تیرے چہرے پہ نظر جا کے ٹھہر جاتی ہے

عشق کی کونسی منزل ہے یہ معلوم نہیں
کوئی آتا ہے اُدھر سانس اِدھر جاتی ہے

کس طرف لے کے چلا مجھ کو مرا جذبۂ دل
جانے کس سمت مری فکرِ نظر جاتی ہے

کس کے گھر پھول کھلانے کو یہ چنچل سی ہوا
شام ہوتے ہی مرے شہر اُتر آتی ہے

جو ملا دیتی ہے صدیوں سے جدا ذرّوں کو
لبِ ساحل کبھی ایسی بھی لہر آتی ہے

قابلِ فخر جو ہو نامۂ اعمال اگر
زندگی موت کی باہوں میں بھی اِتراتی ہے

میرے کسی بھی خواب کو سچا نہیں کیا
تم نے ہمارے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا

○

شوخی صبا کی پھول کو بدنام کر گئی
کس کی خطا تھی اور بلا کس کے سر گئی

اس دل سے کیا گلہ کہ جو اپنا نہ تھا کبھی
کیا کہیئے اس نظر کو جو مل کر مکر گئی

واضح ہے گفتگو سے مری چال ڈھال سے
وہ تلخیٔ حیات جو دل میں اتر گئی

ہوں منتظر میں آج تلک اس خوشی کی جو
جانے کہاں سے آئی تھی جانے کدھر گئی

عکسِ جمال یار سے ٹوٹا ہے آئینہ
پیشِ جمالِ یار ہر اک شے سنور گئی

کھلتی ہوئی کلی کی سی مُسکان آپ کی
دامن کسی غریب کا پھولوں سے بھر گئی

ترکِ دعا کا اپنی یہی تو سبب رہا
مانگی ہے جب بھی ہم نے دعا بے اثر گئی

○

خلش ذہن میں نہ دل میں ملال رکھا ہے
بس اپنے ساتھ تمہارا خیال رکھا ہے

وفا کے زخم گلوں کی طرح مہکنے لگے
ترے فراق کو جب سے وصال رکھا ہے

کیا ہے دعویٰ بیگانگی سدا جس سے
اُسی سے رشتۂ الفت بحال رکھا ہے

وہ بے نیازِ محبت ہے کیا خبر اُس کو!
اُسے تو گوشۂ جاں میں سنبھال رکھا ہے

یہ کیا کہ اس کے مقدّر میں جامِ جم کی چمک
مرے نصیب میں جامِ سفال رکھا ہے

جو فرشِ عرش پہ مہتاب سا چمکتا ہے
خیال نے ترا پیکر اچھال رکھا ہے

بچھڑ کے تجھ سے مری زندگی کچھ ایسی ہے
کہ جیسے سینے سے دل کو نکال رکھا ہے

○

ٹھوکر نہ ماریئے کہ پرستار ہی تو ہیں
راہِ وفا میں تیرے طلبگار ہی تو ہیں

کوشش رہی ہے اپنی کہ جاں سے گزر ہی جائیں
اس کاروانِ دہر میں بیکار ہی تو ہیں

کیونکر وہ کہہ گئے کہ قیامت سروں پہ ہے
گو ابتدائے حشر کے آثار ہی تو ہیں

اپنوں کی چوٹ سہہ گئے جب حوصلے سے ہم
اوروں سے کیا گلہ کہ وہ اغیار ہی تو ہیں

جن کو مفاہمت کی طلب دوسروں سے ہے
وہ خود سے آج برسرِ پیکار ہی تو ہیں

محفل میں جان کر ہمیں انجان ہیں بہت
جیسے سدا سے ہم سے وہ بیزار ہی تو ہیں

تین ☆ شعر

دامن مرا اشکوں سے بھگونے نہیں دیتا
اک شخص مجھے کھل کے بھی رونے نہیں دیتا

کچھ ایسی بھی دشوار نہیں اس کی رفاقت
ہونی کو مگر وہ کبھی ہونے نہیں دیتا

سناٹا گلی کا میری وحشت کا سبب ہے
اور شور میری ذات کا سونے نہیں دیتا

○

منزل پہ جا کے کس کو سنبھلنے کا ہوش ہے
خود میرِ کاروان بھی سرمست جوش ہے
صبح کہیں تو شام کہیں رات ہو کہیں
ہر شخص میرے شہر کا خانہ بدوش ہے

............☆............

دُعا

الٰہی میرے چہرے کو رخِ تاباں بنا دینا
مری آنکھوں کے حلقوں کو دَرِ یزداں بنا دینا

طوافِ کعبہ تک یا رب مرے قدموں کی گردش ہو
مرے جذبوں کو مولا مظہر ایماں بنا دینا

الٰہی میرے دل کو دے تجلی نورِ عرفاں کی
فرشتے سے بھی افضل تو مجھے انساں بنا دینا

گزاری ہے یہاں دشواریوں میں زندگی میں نے
اجل کو اے خدا میرے لئے آساں بنا دینا

آمین

انگریزی نظموں

کا

منظوم ترجمہ

پیش لفظ

انسان کی فکری صلاحیتوں اور جذبوں کے اظہار کے لئے سب سے موثر ذریعہ شاعری ہے۔ جو بات نثر کے کئی صفحات پر محیط ہوتی ہے وہ چند مصرعوں میں زیادہ بہتر طریقہ سے ادا کی جا سکتی ہے اور اس کا تاثر بھی گہرا ہوتا ہے۔ اس لئے دنیا کی ہر زبان کے ادب میں شاعری کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ ہومر سے لے کر اب تک جس قدر بھی شعراء گزرے ہیں ان کی تخلیقات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں میں کوئی مستند شاعرہ تو نہیں البتہ شعر گوئی کی طرف مائل ہوں۔ ویسے میں ایک استاد ہوں اور وہ بھی انگریزی ادب کی۔ ربع صدی درس و تدریس میں گزری ہے لیکن طبیعت کا میلان اردو شعر و سخن کی طرف زیادہ ہے۔ انگریزی زبان کو بین الاقوامی حیثیت حاصل ہے اس لئے یہ بطور مضمون تقریباً" ہر ملک میں رائج ہے۔ ہمارے یہاں بھی انگریزی مستقل مضمون کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے۔ انگریزی کے نامور شعراء اور ادباء کی تخلیقات نصاب میں شامل ہیں۔ ان کو سمجھنا صحیح مطالب و مفاہم کا اخذ کرنا' ان کی گہرائی و گیرائی تلاش کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ شاید یہ ہی وجہ ہے کہ طلبہ اس انگریزی سے بے حد خائف رہتے ہیں۔

میرے پیش نظر یہی بات تھی کہ میں طلبہ کی مشکلات حل کرنے میں معاونت کروں۔ چنانچہ میں نے کوشش کی کہ انگریزی زبان کی مشہور نظمیں جو بالخصوص انٹر کے نصاب میں شامل ہیں ان کا اردو زبان میں اس طرح ترجمہ کروں کہ صحیح مفہوم ذہن نشین ہو جائے اور شاعرانہ لطافتیں بھی سمجھنے میں آنے لگیں۔ اس کے لئے میں نے شاعری ہی کو بہتر ذریعہ خیال کیا۔ اکثر نظموں کا منظوم ترجمہ کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ شاعرانہ محاسن برقرار رہیں اور جن نظموں کو اس انداز میں پیش کرنا دشوار معلوم ہوا ان کا مرکزی خیال لے کر نظم کی صورت میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتی میں اس میں کہاں تک کامیاب ہوئی۔ یہ تو قارئین ہی بتا سکتے ہیں وہی بہترین نقاد ہوتے ہیں۔

رضیہ سبحان قریشی

فہرست

حُسن لازوال

کیا ترے حسن کو تشبیہ میں دوں
موسمِ گرم کے روشن دن سے!
کہ ہے اس سے بھی کہیں بڑھ کر تو
خوبرو، پاک صفت، نرم سخن
گرمیِ بادِ صبا!
شاخِ گلشن سے سدا
اَدھ کھلی کلیوں کو پامال کرے
چمنِ حسن کو ویران کرے!!
گو کہ اس موسمِ گرما کا قیام
مختصر ہے پہ تغیر ہیں بہت
اس کی ہر شام جدا
اس کی ہر صبح الگ
اور کبھی چشمِ فلک کی حدت
تیز سے تیز بھی ہو جاتی ہے
اور کبھی اس کی رُو پہلی رنگت
جانے کیوں ماند سی پڑ جاتی ہے!!
وقت و فطرت کا اٹل ہے یہ نظام
حُسن سے حُسن بھی چھن جاتا ہے

جو سمٹتا ہے بکھر جاتا ہے!!
پر ترے حسن کا مہتابِ ازل
ماند تا حشر نہیں ہو سکتا
حُسن، جو صرف ہے جاگیر تری
تجھ سے تا عُمر نہیں چھن سکتا!!
اور اجل سے نہیں ممکن کہ ترے
پیکرِ حُسن پہ سایہ ڈالے
کہ تجھے عمر ملے گی مجھ سے
میرے الفاظ میرے شعروں سے!!
جب تلک سانس یہاں لے انساں
جب تلک آنکھ یہاں دیکھ سکے
تب تلک شعر مرے زندہ ہیں
اور ان شعروں میں تو زندہ ہے!!

صُبح کا منظر

زمیں پہ اس سے حسیں تو نہیں کوئی منظر
جو پیش کر سکے مخلوق کو مرا خالق!
وہ شخص روح سے مردہ، ضمیر سے عاری
جو بے نیازی سے منہ پھیر کر گزر جائے
زمیں کے اتنے حسیں منظر شہانہ سے!
پہن لیا ہے شہر نے لباسِ حسنِ سحر
فضا ہے نکھری ہوئی پاک صاف اور روشن
زمیں پہ پھیلے ہوئے دور تک یہ نظّارے
فلک کو چھوتی ہوئیں یہ عمارتیں، اعلیٰ
جہاز پانی میں، گرجا بلند چوٹی پر
ہر ایک چیز زمانے کی ہوگئی جیسے
دھوئیں سے گرد سے آلودگی سے بیگانہ!

نہ اس سے پہلے کبھی آفتاب نے اپنی
رنگا ہے رنگ سے وادی، پہاڑ، دریا کو
نہ اس سے پہلے کبھی یہ سکوت دیکھا تھا
نہ اس سے پہلے کبھی یہ سکوں ہوا محسوس
سمندروں کی بھی موجیں ہیں بے نیازِ سفر
سکوتِ بحر ترے حسن کی گواہی دے
مرے خدا یہ سبھی گھر ہیں جیسے سوئے ہوئے
اور ایسا سحر و طلسم زمیں پہ چھایا ہے
کہ جس سے سینۂ دریا میں دل بھی ساکت ہے!

ابو بن ادھم اور فرشتہ

اِک روز ابو سوئے تھے کمرے میں سکوں سے
تھی نیند بہت گہری، مگر چونک کے اٹھے!
کمرے میں اُمڈ آئیں مہتاب کی کرنیں
اور ایسے لگا جیسے کوئی پھول کھِلا ہو!!!
اس دودھیا چاندی میں ابو کو نظر آیا
نورانی فرشتہ جو بہت غور سے جھک کر
سونے کے حسیں صفحہ پہ مصروفِ قلم تھا
دیکھا جو منظر تو ابو کو ہوئی جرأت
"کیا لکھتے ہو؟" پوچھا یہ فرشتے سے انہوں نے
سر اپنا اُٹھا کر یہ فرشتے نے بتایا
میں نام رقم ان کے یہاں کرنے لگا ہوں
جن کو ہے بہت پیار خداوند سے اپنے!!
"کیا نام ہے شامل مرا؟" پوچھا یہ ابو نے
"نہ، نہ" یہ کہا دھیرے سے معصوم کرن نے
ادھم نے بہت پیار سے ہنس کر یہ کہا پھر
تم نام ہمارا کرو ان لوگوں میں شامل
جو رب کے نہیں بلکہ ہیں بندوں کے پرستار!

ایسے ہی فرشتے نے کہا اور ہوا او جھل
پھر دوسری شب آیا نئی روشنی لے کر
اب ہاتھ میں تھی اس کے نئے ناموں کی تحریر
وہ نام جنہیں رب نے محبت سے نوازا
دیکھا تو وہاں نام آبو تھا سرِ فہرست
یعنی کہ خداوند کو وہ لوگ ہیں پیارے
معبود سے بڑھ کر ہو جنہیں عبد سے الفت

مغرُور حسینہ

منیرٰی تھی اک لڑکی بہت خوبرو حسیں
پیکر پہ اس کو اپنے بلا کا غرور تھا!

اک صبح ٹہلنے کو جو وہ باغ میں گئی
روبن چہک رہا تھا درختوں کی ڈال پر

منیرٰی نے اس پرند سے پوچھی بس ایک بات
ڈولی اٹھے گی کب میری' آئے گی کب برات

اُس کو ملا جواب کہ جب تُجھ حسیں جواں!
باہوں میں تم کو تھامے ہوئے چرچ جائیں گے

منیرٰی نے پھر سوال یہ پوچھا کہ میری سیج
کس طرح سے سجے گی' بھلا کس کے ہاتھ سے

روبن نے یہ کہا کہ سجائے گا تیری سیج
اک سوگوار و عمر رسیدہ سا گورکن
قبریں جو گہری کھودتا رہتا ہے صبح شام!

منیری نے بات سمجھے بنا پھر کیا سوال
گائے گا کون میرے لئے نغمۂ طرب

روبن نے بے رخی سے پلٹ کر دیا جواب
جگنو تمہاری قبر کو چمکانے آئے گا!
الّو لحد پہ بیٹھ کے یہ گیت گائے گا

- خوش آمدید اے مری مغرور نازنیں
خوش آمدید اے میری مغرور نازنیں

کبھی نہ کہنا کہ محنت کا پھل نہیں ملتا

کبھی نہ کہنا کہ محنت کا پھل نہیں ملتا
تمہارا جہدِ مسلسل تمہارے زخمِ ہنر
کبھی نہ کہنا کہ بیکار و رائیگاں ہوں گے!

رقیبِ جاں کو شکست وفا نہیں ہوگی
جو آج ہیں وہی حالات کل تلک ہوں گے
نہ بھول کر کبھی ایسا گمان کرنا تم!
اگر امید ہے دھوکہ تو خوف بے معنی
دھوئیں میں دور بہت دور ہیں یہ پوشیدہ
ترا رفیق اگر دشمنوں کے پیچھے ہے
تو کارِ زار تمہارے لئے کشادہ ہے
قدم بڑھا کے یہ میدان سر کرو کیونکہ
یہی تو وقت ہے دشمن کو زیر کرنے کا
یہی تو وقت ہے اپنے کو آزمانے کا

کبھی نہ کہنا کہ محنت کا پھل نہیں ملتا!

وہ دور پار سمندر تھکی تھکی موجیں
لگے یوں جیسے کہ اک انچ بھی سرک نہ سکیں

مگر یہ بات کہ واقف نہیں کوئی جس سے
کہ ان کی یہ روش مستقل چٹانوں میں
شگاف ڈالتی ہیں راستے بناتی ہیں
نہ جانے کتنے ہی سیلاب یہ تھکی موجیں
سکوتِ بحر کے سینے میں بھی جگاتی ہیں
خموش موجوں کو حاصل ہوا ثمر اپنی
ہر ایک لمحے کی اس بے تکان محنت کا!

کبھی نہ کہنا کہ محنت کا پھل نہیں ملتا!

ذرا نظر تو کرو مشرقی دریچے پر
جہاں سے پہلی کرن آفتاب کی آئے
بہت ہی دھیرے کرن روشنی کی بڑھتے ہوئے
تمام مشرق و مغرب میں نور پھیلائے
اگر ہو جہد یونہی پھر تمہاری ذات کی لو
اسی طرح سے زمانے کو جگمگائے گی!
تمہارے کارِ مسلسل سے لوحِ دنیا پر
تمہارے کارِ نمایاں کا نقش ابھرے گا!

کبھی نہ کہنا کہ محنت کا پھل نہیں ملتا!
کبھی نہ کہنا کہ محنت کا پھل نہیں ملتا!

صبر

جب کبھی بات مرے دھیان میں نہ آتی ہے
کس طرح میری نظر سے مری بینائی گئی
اور
ان اگلے دنوں میں دنیا
کتنی تاریک نظر آئے گی
پھر مرے شعر و سخن کی خوبی
کتنی بیکار نظر آئے گی
اور جب تک مری سانسیں ہوں گی
مجھ سے بیزار نظر آئے گی
موت کے پردے میں چھپ جائے گی!!!

گو مرا دل تو بہت چاہتا ہے
اپنے مالک کے لئے وقف رہوں
روز و شب کام کروں اُس کے لئے
اپنے اعمال کو افضل کرلوں!
پھر پناہ اس کے غضب سے چاہوں
پر نہیں بات یہ اتنی آساں!!

ذہن میں آج یہ رہ رہ کے سوال
خلشِ دل کی طرح جاگ اٹھا
"کیا خدا چھین کے بینائی مری
مجھ سے امید یہ کرتا ہے کہ
میں وہ ہر کام کروں دنیا میں
جو مقدّر ہے نظر والوں کا؟"

جذبۂ صبر نے آگے بڑھ کر
دلِ ویراں کو دلاسہ یہ دیا
کہ خداوند کو حاجت نہیں ہرگز اپنے
کسی بندے کی سعی اور کوئی کاوش کی
اس کی نظروں میں؛ ہی فرد کا اعلیٰ ہے مقام
جو رضا میں رہے راضی اُسکی!

کہ ہے شاہوں کا بھی شاہا وہ بہت برتر ہے!!
اس کی بس ایک ہی جنبش پہ
سبھی حور و ملک!
کھیت میں، دشت میں، دریاؤں میں
اس کی خدمت کے لئے حاضر ہیں!!

تمغۂ عبد عطا ان کو ہوا

کارِ دنیا میں جو مصروف رہے

اور وہ لوگ بھی ہیں برسرِ پیکار کہ

جو فقط اپنے خدا کی خاطر
اک جگہ صبر سے خاموش رہے!!

جنگل میں برفباری

برف گرتی ہوئی اک شام گزر میرا ہوا
اک حسیں سبز گھنے پیڑوں کے جنگل سے جو
اس قدر خوب لگا مجھ کو کہ میں ٹھہر گئی
دیکھنے برف کی چادر سے ڈھکے جنگل کو!!

اسپ کو میرا ٹھہرنا یاں مناسب نہ لگا
کہ نہ منزل تھی یہاں اور نہ سرائے کوئی

کس لئے روک لیا اس کو سرِ راہگذر
اپنی گردن کی وہ گھنٹی کو ہلا کر پوچھا
اور اس گھنٹی کی آواز سے جنگل گونجا!!

کتنی ہی دیر تلک میں یونہی مدہوش رہی
سانس میں برف کی ٹھنڈک کو بھی محسوس کیا
اور جب چھانے لگی رات کی تاریکی تو
چونک کر جاگ گئی نیند سے جیسے ایکدم
پھر یکی سوچ کے گھوڑے کی لگامیں تھامیں

بے پناہ حسن ہے گو شام کے اس منظر میں
عمر کٹ جائے مری کاش اسی جنگل میں

پر نہیں بات یہ ممکن کہ ہزاروں وعدے
جو کئے اوروں سے میں نے وہ نبھانے ہوں گے

کہیں ایسا نہ ہو انجامِ سفر سے پہلے
نیند آجائے ہمیشہ کے لئے آنکھوں کو
اس سے پہلے کہ مری چشمِ تمنا سو جائے!

مجھ کو میلوں کا سفر کرنا ہے!

مجھ کو میلوں کا سفر کرنا ہے!

حُسن

حسن اک دائمی مسرت ہے
حسن سر چشمۂ محبت ہے
حسن وہ ہے جسے زوال نہیں
حسن جس کی کوئی مثال نہیں

وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہے
عمر کے ساتھ یہ نکھرتا ہے
حسن ایسا گھنا شجر ہے جو
اپنے سائے سے زندگانی کے
تپتے صحرا کو سبز کرتا ہے!

حسن وہ ہے کہ جس کے باعث ہم
آس کے پھول چنتے رہتے ہیں
حسن ہی کے سبب تو دنیا میں
ان کہے گیت سنتے رہتے ہیں

گو کہ دنیا بہت ہی ظالم ہے
لوگ قاتل ہیں اپنی خوشیوں کے
کیسا فقدان ہے شریفوں کا
کتنی بھرمار دشمنوں کی ہے!

باوجود اس کے کوئی چیز ہے جو
اتنی دلکش ہے اتنی پیاری ہے
اپنے تاریک گوشۂ دل سے
روشنی کو نکال لاتی ہے!
غم کی چادر جو ہم نے اوڑھی ہے
روح سے اپنی یہ ہٹاتی ہے!!

حسن اک خاص شے کا نام نہیں
حسن ہر چیز میں نمایاں ہے

حسن آنکھوں میں حسن دھڑکن میں
حسن صحرا میں، حسن گلشن میں
چاند میں حسن، آفتاب میں حسن
حسن تاروں میں، کائنات میں حسن
حسن بوڑھے، جواں درختوں میں
حسن سرسبز سوکھے پتوں میں
حسن لالہ سمن گلاب میں ہے
حسن چڑھتے ہوئے شباب میں ہے
گرمیوں میں ہے ٹھنڈی جھیل کا حسن
سردیوں میں ہے نرم دھوپ کا حسن

حسن اس داستاں کا حصہ!
جس کو ہم نے کہیں سنا نہ پڑھا!

حسن کردار میں کہانی کے
حسن قصوں میں ہے جوانی کے
زندگانی میں حسن، موت میں حسن
چشمِ بیمارِ غم کی جوت میں حسن!

مختصر یہ کہ حسن سینوں میں
قطرہ قطرہ فلک کے گوشوں سے
مثلِ آبِ حیات گرتا ہے ! !

بُلبُلِ زار

عجب اک درد سینے میں اُٹھا ہے
مرا احساس بھی سونے لگا ہے
مرے ادراک پر ایسا نشہ ہے
کہ جیسے زہر میں نے پی لیا ہے!
ابھی جو ایک لمحہ بیت جائے
میں دریائے فراموشی میں ڈوبوں!
درختوں پر چہکتے بلبلِ زار!
نہیں خائف ہوں میں تیری خوشی سے
ترے پرجوش نغمے کی قسم ہے
تری خوشیوں میں شامل ہو گئی ہوں
تری آواز میں جادو ہے ایسا!
خنک مے میں ہو کوئی جیسے نشّہ
ملے اے کاش بس اک بوند مجھکو
جسے پی کر میں سب کچھ بھول جاؤں!
ملے اے کاش جلتا جام مجھ کو
کہ جس کو چھو کے لب جل جائیں میرے
مگر میں ساتھ تیرے چل پڑوں پھر
نشے میں ساری دنیا بھول جاؤں!

وہ دنیا جو نہیں دیکھی ہے تو نے
وہ دنیا جس میں فکر و غم بھرے ہیں
جہاں اک دوسرے سے ہے شکایت
جہاں پر سوچنا بھی اک مصیبت
جہاں پر ہر قدم بیماریاں ہیں
محبت میں جہاں دشواریاں ہیں
جہاں پھولوں سے چہرے بجھ گئے ہیں
جہاں محفل میں بھی تنہائیاں ہیں

مئے نایاب پینے سے بھی حاصل
نہ مجھ کو ہو سکی اِک بے خودی سی
نہ تلخی بھول پائی ہوں اے بلبل
نشے کے بعد بھی اس زندگی کی!

مجھے اب ڈوبنا ہے بلبلِ زار
ترے نغمے کی میٹھی دھن میں
تخیّل سے بھرے شعروں میں کھو کر!
وہ دیکھو رات کتنی پرسکوں ہے
کہ ملکہ چاند کی کرسی نشیں ہے
کھڑی ہیں چار سو تاروں کی پریاں

گری ہیں ہر طرف پھولوں کی لڑیاں
میرے چاروں طرف ہے گھپ اندھیرا
مقدس اور پاکیزہ اندھیرا!
مگر جب بھی ہوا لہرائے پتّے
کرن چپکے سے آ جائے وہیں سے!
سجھائی کچھ نہیں دیتا ہے **مجھکو**
دکھائی کچھ نہیں دیتا ہے **مجھکو**
مگر میرا قیافہ ہے غضب کا
میں ہر اک پھول کو پہچانتی ہوں
میں خوشبو سونگھ کر یہ جان لوں گی
کہ کس موسم کا گل ہے پاس میرے!

ہے ہلکی گھاس، کانٹے دار پودے
کہیں پر کچھ گلابوں کی مہک ہے
کہیں چمپا کہیں لالہ کی خوشبو
اور ان پر مکھیوں کی **بھنبناہٹ**
عجب سا اک سماں پیدا ہوا ہے!
اندھیرا جیسے جیسے بڑھ رہا ہے
اجل سے عشق **مجھکو** ہو چلا ہے
مرا دل چاہے مر جاؤں میں اس وقت
ابھی، ہاں ایسا موقع پھر کہاں ہے

مرے کانوں میں اب بھی طائرِ خوش
ترے نغمے کی ہلکی سی صدا ہے
کہ مجھ پر موت حاوی ہو رہی ہے
ترے نغمے کی لذّت کھو رہی ہے!

تو اے بلبل! نہ ہرگز مر سکے گا

کہ تُو تو موت سے بھی ماورا ہے
زمانہ تجھ کو کیا گھائل کرے گا
کہ تو ہر دور میں نغمہ سرا ہے
ترا نغمہ ہی تو ٹوٹے دلوں کا
سکوں ہے' حوصلہ ہے' آسرا ہے
ترے نغمے کے جادو نے اے بلبل
دریچے بند کتنے کھول ڈالے
نظر آئے ہیں جن سے مجھ کو کتنے
وسیع اور تنہا اور ویراں جزیرے!!

جونہی تنہائی کا احساس جاگا
سنہری گھنٹیاں بجنے لگی ہیں
میں گہری نیند سے جاگی ہوں جیسے
اور اپنے آپ میں پھر لوٹ آئی

تخیل کی پری! تم لوٹ جاؤ
بہت دھوکے دیئے ہیں تم نے مجھکو
خدارا اب نہ میرے پاس آؤ
خدا حافظ ترے نغمے کو بلبل
تیری آواز مدھم ہو گئی ہے
کسی وادی میں جا کے کھو گئی ہے
نہ اب نغمہ نہ اب وہ بلبلِ زار!

حقیقت ہے کہ کوئی خواب ہے یہ
میں جاگی ہوں کہ پھر سوئی ہوئی ہوں!

عزمِ سفر

عرے رفیق مرے ساتھیو مرے ہمدم!

وہ تم ہی تھے جو ہمیشہ سے میرے ساتھ رہے
شریکِ فکر بھی اور شریکِ کار رہے
وہ تم ہی تھے جو مرے ساتھ مسکراتے ہوئے
سلگتی دھوپ سہی اور ہوائے تند سہی

تم ہی نے لمحہ بہ لمحہ میری حمایت کی
مرے خلاف بغاوت کے سر کچل ڈالے!
تمہارے ساتھ گزارا تھا میں نے عہد شباب
سمندروں کی جواں بے لگام موجوں پر!
وہ وقت تھا کہ جواں میں بھی اور تم بھی تھے!!

پر اب نہ ہم میں ہے باقی وہ قوتِ بازو
کہ جس سے موجِ حوادث کا رخ بدلتے تھے
ہوئے ہیں دورِ ضعیفی کے ہم تمام سفیر!!

یہ دورِ ضعف ہے لیکن ہے اس کی آن الگ
ہیں اس کے بزم الگ اور اس کی شان الگ
ہے موت زیست کا انجام!

اور موت سے قبل
کسی بھی کارِ نمایاں کا ارتکاب کریں
ہم اپنے دورِ گذشتہ کا احتساب کریں!!
وہ دور روشنیاں جھلملائیں ساحل پر
طویل دن بھی ڈھلا' چاند بھی چمکنے لگا
خموش سینۂ دریا میں دل ہمکنے لگا!!
اٹھو اور آؤ مرے ساتھیو مرے ہمراہ!!

کہ اب بھی وقت ہے اتنا کہ ڈھونڈ سکتے ہیں
جہانِ تازہ' نئی وادیاں' نئی دنیا!
چلو کہ ڈال دیں موجوں کے درمیاں چپّو
چلو کہ آج پھر آغاز اک سفر کا ہو!
سفر بھی وہ ہو کہ اس پار ہم افق کے چلیں
جہاں پہ غرق ہیں پانی میں مغربی تارے
یونہی سفر میں رہیں جب تلک نہ موت آئے
اور اس سفر میں یہ ممکن ہے غرقِ دریا ہوں
یہ بات بھی تو ہے ممکن وہ ساحلوں کو چھوئیں
کہ جس پہ رکھا نہ ہو آج تک کسی نے قدم

بہت گنوائیں گے پر کچھ نہ کچھ تو پائیں گے!!

گو ہم میں پہلی سی طاقت نہیں وہ زور نہیں
کہ جس سے ایک کیا کرتے تھے زمین و زماں
مگر

جو ہیں سو ہیں
ہمارے جسموں کو لاغر یہ ساعتوں نے کیا
مگر

جوان ہے دل کی امنگ آج تلک
اور اپنا عزم ہے قائم یونہی ہمیشہ سے
کہ ہم تلاش میں سرگرداں، جستجو میں مگن
ہر ایک موجِ حوادث کو زیر کرتے ہوئے
گزرتے وقت سے ہرگز نہ مات کھائیں گے
سفر میں یونہی شب و روز بڑھتے جائیں گے

مرے رفیق مرے ساتھیو مرے ہمدم!!
کہ آج پھر سے ہم اکبار عزمِ نو لے کر
نئی ڈگر پہ چلیں، اک نئے سفر پر چلیں!!

بے لگام ہوا

خزاں کے وسط سے مغرب سے آنے والی ہوا
اُڑا کے لائی ہے بے رنگ خشک پتوں کو
جو دُور دُور تلک یوں بھٹکتے پھرتے ہیں
کہ جیسے اُن کے تعاقب میں کوئی سایہ ہو!!

شریر و شوخ ہوا نے زمیں کو بہکایا
جو پودے بیج میں سوئے تھے چونک کر اٹھے
زمیں کی کوکھ سے نکلے ہوا میں لہرائے
حیات و موت کا پیغام لے کر آئی ہوا
جنوں کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہواؤں نے
سکوتِ بحر کو ایسے جھنجھوڑ ڈالا ہے
کہ ڈوبتی ہوئی موجوں میں آئی طغیانی
سمندروں میں عجب اضطراب لائی ہوا

فلک پہ بھی یہ گھٹاؤں کو چھیڑتی گزری

شریر ایسی کہ جا جا کے ان سے ٹکرائی
زمیں پہ پھر تو مسلسل پھوار گرنے لگی
خزاں کے ساتھ پیامِ بہار لائی ہوا

اے بے زبان ہوا تو زمیں پہ حاوی ہے
ترا اثر ہے سمندر میں آسمانوں میں
ترے وجود کو محسوس کر سکی ہوں مگر
ترا وجود مرا کچھ نہیں بگاڑ سکا!
اے تند و تیز ہوا کاش ایسا ممکن ہو
کہ تیری برق سی رفتار مجھ کو لے جائے
اُڑا کے دور کہیں دور اس جہاں سے دور
کہ جیسے میرے تعاقب میں کوئی سایہ ہو!!

اے کاش تیری یہ رفتار مجھ کو چونکا دے
سکوتِ شام سے سوئے سمندروں کی طرح
اے کاش تیری یہ رفتار میرے لفظوں کو
بکھیر ڈالے زمیں پر نئے گلوں کی طرح
اے کاش تیرا اثر مجھ پہ اس طرح سے ہو
کہ میری روح میری کائنات مل جائے

ترے حصار میں بس قید ہو کے رہ جاؤں
ترے وجود کو مجھ سے حیات مل جائے
اے بے لگام ہوا اک ذرا مجھے چھو لے

جاگیر

یہ وہ تصویر ہے جو حیرت سے
ٹکٹکی باندھے دیکھتے ہو تم
اک مصور کا ہی خیال نہیں
میرے محبوب کا کمال بھی ہے!!

اس کے گالوں پہ جو بھی سُرخی ہے
کس قدر شوخ اور خوش کُن ہے
اس کی آنکھوں میں جو چمک سی ہے
کتنی رنگین اور روشن ہے

حسنِ اخلاق وہ مجسم تھی!
کھُل کے مجھ سے ہر اک سے ملتی تھی
اس کے ہونٹوں پہ وہ تبسم تھا
بہتے جھرنوں کا اک ترنم تھا
پیار آنکھوں سے بھی چھلکتا تھا
اس کے لہجے سے دل پگھلتا تھا
[illegible] نہیں لیکن

جس کو بھی دیکھتی وہ ہنس پڑتی
اس کی یہ بات ہی نہ تھی اچھی!!

وہ ہر اک سے کلام کرتی تھی
اور بصد احترام کرتی تھی
اک فقط مرے واسطے ہی نہیں
اس کا اخلاق تو ہر اک سے تھا
میں نے چاہا ادائیں سب اس کی
وقف ہو کر مرے لئے رہ جائیں
پر نہ ممکن کسی طرح یہ ہوا
اور پھر میں نے ایسا حکم دیا
اس کی ہر اک ادا کو روک دیا!!

مسکراہٹ بھی جم گئی اُس کی
اور سانسیں بھی تھم گئیں اُس کی

لیا جو تصویر بن کے ابھری ہے
اب وہ جاگیر صرف میری ہے

بہار کی آمد

خزاں کی آگ سے کومل سی اُنگلیاں اُٹھیں
اور اپنی نرم تپش سے جلا دیا سب کچھ
چمن میں سوکھے ہوئے پھول بے ثمر شاخیں
اور ایک عمر کے بوڑھے سے ناتواں درخت
وہ کونپلیں جو کبھی سبز بھی نہ ہو پائیں
وہ زرد پتے سراپا خزاں سے آلودہ!
تمام گند جو بیکار و رائیگاں پایا
سبھی کو آنکھ جھپکتے ہوئے جھلس ڈالا
زمیں نے اپنے خرافات کو مٹا ڈالا
نئی بہار کا پیغام پھول لے آئے!!
مجھے بھی آج اجازت کہیں سے مل جائے
کہ میں بھی اپنے خرافات کو مٹا ڈالوں
کھلی ہوئی میری ماضی کی راہداری کو
سلگتی آگ کے پھولوں سے میں جلا ڈالوں!

یہ آگ کاش میری روح کو جھلس ڈالے
اور مجھ میں ایک نئی روح پھر جنم لے لے
بہار مجھ پہ بھی آئے، کھلیں گلاب مرے
نئی امنگ لئے جاگیں پھر سے خواب مرے
یہ خوابِ حسن کو تعبیر مل سکے کہ نہیں
بہار رُوئے زمیں پر ضرور آئے گی

عجیب ملاقات

میں بھاگ آیا کھائی میں میدانِ جنگ سے
دیکھا وہاں پہ لاکھوں سپاہی چھپے ہوئے
کچھ تھک کے سو چکے تھے بہت نیند میں تھے
کچھ
میں نے ٹٹول کر جو چھُوا ایک شخص کو
وہ جیسے گہری نیند سے چونکا ہو جاگ کر
دیکھا مجھے تو اس کی نگاہیں چمک اُٹھیں
جیسے جنم جنم سے مجھے جانتا ہو وہ!
پہچانتا ہو وہ!.
چہرے پہ اس کے آئی تھی بے جان سی ہنسی
اور میں سمجھ گیا تھا کہ مردوں کے شہر میں
میں آگیا ہوں جنگ کے میدان سے بھاگ کر!

رُک رُک کے مجھ سے کہنے لگا وہ عجیب شخص
یاں خوف اور اداسی کی کوئی جگہ نہیں
یاں جنگ بھی نہیں ہے سیاست بھی یاں نہیں

اس شہرِ خامشی میں پہنچ کر مجھے اے دوست
احساس یہ ہوا کہ گنوا دی ہے زندگی
شہرت کے پیچھے حسن کے، دولت کے واسطے
مٹی کے واسطے کبھی لوگوں کے واسطے!
ہر ایک لمحہ برسرِ پیکار میں رہا! بیکار میں رہا!!

اے کاش مجھ پہ راز یہ کھلتا جہان میں
اس وقت مجھ میں ہوش تھا اور آگہی بھی تھی
جب شوق و ولولے بھی تھے ہر اک خوشی بھی
تھی!!

جس دوڑ کو ترقی سمجھتا رہا تھا میں
وہ دوڑ مجھ کو آگے نہیں پیچھے لے گئی
معصوم و بے گناہوں کے خوں میں ڈبو گئی!

سچائی کا یہ درس اہم ہے ہر ایک فرد
اے کاش جان لیتا نہ لڑتا کبھی بھی میں
لیتا میں اپنے آپ سے کوئی بھلا سا کام
نفرت کسی سے کرتا نہ جلتا کسی سے میں
میں مارتا کسی کو نہ مرتا کسی سے میں!

یہ راز آشکار ہوا مجھ پہ دیر سے
مرنے کے بعد مجھ پہ کُھلا زندگی ہے کیا
اے دوست! ہوں وہی میں کہ تم جس کو مار کر
میدانِ کارِزار میں لہرائے فخر سے!
میں نے بُھلا دیئے ہیں وہ لمحے وہ دشمنی
ہے دیس میں اجل کے نہ دشمن نہ کوئی دوست

لو میرا ہاتھ تھام کے سو جاؤ چین سے!!

سمندر

شام کے ڈوبنے کا منظر ہم
لبِ ساحل پہ ٹھہر کر دیکھیں

سرمئی سرمئی سمندر میں
چاند کا عکس کتنا پیارا ہے

یہ سمندر جو شور کرتا ہے
جیسے ہم پہ ہی زور کرتا ہے
اس کی موجیں جو سر پٹختی ہیں
کوئی شکوہ ضرور کرتی ہیں!
ان ہی موجوں کے اضطراب میں ہے
آدمی کا بھی اضطراب نہاں
آدمی بھی تو سر پٹختا ہے
آدمی بھی تو یوں تڑپتا ہے
جیسے بے چین موج ساحل پر!!

یہ سمندر حصارِ دنیا تھا
آج بے بس ہے بے سہارا ہے
یہ سمندر کہ جسکی بستی میں
عظمتوں کے سراغ ملتے تھے
یہ سمندر کہ جس کی موجوں میں
دل دھڑکتا تھا اس کے خالق کا
آج خاموش اور ساکت ہے!

یہ سمندر ہے آج بھی ویسا
پر نہیں اس میں زور پہلا سا
یہ کبھی آگہی کا دریا تھا
یہ کبھی روشنی کا دھارا تھا!
اس کی موجیں صبا کی موجیں تھیں
اس کا ساحل وفا کا ساحل تھا
تھام کر ہاتھ اس کی موجوں کا
پار کرتے تھے آگ کا دریا!

آج لیکن یہ صرف دریا ہے
اور ہم اسطرح سے بے بس ہیں
جیسے ساحل پہ ریت کے ذرے!!

منزل

ہدایتوں کا صحیفہ جو تو نے مجھ کو دیا
کہ جس میں راز تھے پوشیدہ تجھ کو پانے کے
کہ جس میں راہ دکھائی تھی تو نے منزل کی
کہ جس پہ چل کے تھی ممکن تری رسائی بھی

رہِ حیات میں گم ہو گیا وہ غفلت میں
اور میں اداس پریشان اور حیراں سی
نہ جانے کب سے کھڑی زیست کے دوراہے پر
ہر اک گزرتے ہوئے فرد سے سوال کیا
ہر اک گزرتے ہوئے کارواں سے یہ پوچھا
ترے حصول کی کوئی تو راہ بتلائے
کوئی تو منزلِ محبوب مجھ کو دکھلائے

کہا کسی نے کہ ہے راستہ طویل بہت
قدم قدم پہ کئی پیچ و خم بھی آتے ہیں
مگر یہ کیا کہ بتایا تھا تو نے مجھ کو تو
کہ مختصر بھی ہے آسان بھی ہے راہ تری

کسی کی رائے میں تھا راستہ کٹھن اور تنگ
مگر یہ کیا کہ بتایا تھا تو نے مجھ کو تو
کہ تیرا راستہ سیدھا بھی اور عالمگیر
کسی نے مجھ سے کہا یہ جنوں کی راہیں ہیں
کسی نے مجھ سے کہا خواب ہے جو دیوانے کا
مگر یہ کیا کہ ترا دعویِٰ قوی یہ رہا
کہ اس زمانۂ وہم و گماں میں سچ ہے تو

میں مضمحل تھی اسی فکرِ روز و فردا میں
کہ تو نے آکے صحیفہ وہ دے دیا مجھ کو
کیا جو غور تو یہ بات آشکار ہوئی
کہ جس ڈگر پہ رہی بے خبر میں مدت سے
ڈگر نہیں وہ حقیقت میں در تمہارا تھا
یوں میں
پہنچ گئی در پہ ترے نادانستہ

تڑپا کے مجھے اذنِ رہائی نہیں دیتا
وہ قید میں رکھتا ہے رہائی نہیں دیتا

انجامِ محبت کی خبر دل کو ہو کیونکر
کچھ عشق و محبت میں سجھائی نہیں دیتا

سچائی کو پانے کے لیے دل کی مدد لو !
دل جھوٹ کی ہرگز بھی گواہی نہیں دیتا

کچھ ایسی عداوت کی فضا ہے کہ یہاں ہے
غم کون سا جو بھائی کو بھائی نہیں دیتا

دھندلاتی ہیں جب اشکِ ندامت سے نگاہیں
وہ سامنے ہوتا ہے دکھائی نہیں دیتا

منظر وہ حسیں ہے جو نگاہوں سے چھپا ہے
نغمہ وہی اچھا جو سنائی نہیں دیتا

رضیہ قریشی

رضیہ سبحان قریشی انگریزی زبان وادب کی پروفیسر ہیں اور اردو میں شعر گوئی کا بھی ایک پس منظر رکھتی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب "سرد آگ" میں ان کی طبع زاد شاعری کے ساتھ ساتھ انگریزی کی بعض ایسی منظومات کے تراجم بھی شامل ہیں جو کالج کی سطح کے تدریسی نصاب کا حصہ ہیں۔ ان تراجم کا مقصد بقول شاعرہ طالب علموں کو اصل نظموں کے مفاہیم سے آشنا کرنا اور ان میں ذوقِ شعر و ادب پیدا کرنا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کاوش اہم و منفرد ہے۔

رضیہ سبحان قریشی کی غزلیں دورِ حاضر کی مانوس فضا کی عکاسی کرتی ہیں۔ ایک حساس وجود کی حیثیت سے رضیہ نے جس طرح ذاتی تجربات و محسوسات کو سخن کا پیرایہ عطا کیا ہے وہ بجائے خود ان کے تخلیقی سفر کی گواہی ہے۔ اُن کی شاعری ایک ایسے ماحول سے ابھری ہے۔ جو ہم میں سے کسی کے لیے بھی اجنبی نہیں۔ یہی تو وہ ماحول ہے جس میں مہر و محبت کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جہاں چشمِ ساقی میں وہ شراب نہیں جس سے تشنہ لبوں کی پیاس بجھ سکے۔ جہاں جُرم سے پہلے ہی سزائیں تحریر ہو جاتی ہیں۔ جہاں نُہر جہالت کے سزاوار اہلِ فن بنے ہوئے ہیں۔ جہاں کے کم سخن دار پر بھی زبان نہیں کھولتے۔ جہاں آباد شہروں کے در و دیوار سے صحرا برآمد ہوتے ہیں۔ رضیہ نے گرد و پیش کے اس کرب آگیں تجربے کو بڑے لطیف انداز میں شاعری سے ہم کنار کیا ہے۔ رضیہ کے اس شعر سے ان کے طرزِ احساس کی بھرپور نمائندگی ہوتی ہے ؎

دل ہو ویراں تو پھر مکانوں کا
حُسن بڑھتا نہیں سجانے سے

پروفیسر سحر انصاری
صدر شعبہ اردو۔ جامعہ کراچی